

(۸۱)

آئین کچھ اور ، محکمِ فطرت کچھ اور
 قانون کچھ اور ، آدمیت کچھ اور
 اللہ کا قول و فعل اِتنا متضاد !
 احکام کچھ اور ہیں ، مشیت کچھ اور

(۸۲)

اے شدتِ زندگی سے مرنے والو
 روتے ہوے دُنیا سے گزرنے والو
 جھونکوں میں کراہنے کی آوازیں ہیں
 تم کون ہو ہائے ہائے کرنے والو ؟

(۷۹)

اللہ کے ایمان کا مرے استحکام
 اک ہات میں ہے جبلِ متین، ایک میں جام
 دن، بزرخِ بھرخین ہے گویا اے حوسن
 اک سمت ہے کفر، ایک جانب اسلام

(۸۰)

وے جام کہ ہوتا ہے سیرا سانی
 مشہور ہے اعتدال میرا سانی
 وہ عیبیتِ نور ہو کہ طغیانی نور
 دونوں کا نتیجہ ہے اندھیرا سانی

(۷۷)

کہتے ہو کہ منہ آفسوؤں سے تر نہ کروں؟
 نعم، ٹھوس حقیقت ہے، یہ باور نہ کروں؟
 بیکار ہے ہائے ہائے کرنا، لیکن
 انسان ہوں ہائے ہائے کیونکر نہ کروں؟

(۷۸)

پہلو میں مرے، دیدہ پر تم ہے کہ دل
 معبود! یہ مقیاسِ تپِ غم ہے کہ دل
 ہو ذرہ بھی کج تو بال پڑ جاتا ہے
 یہ شیشہِ ناموسِ دو عالم ہے کہ دل

(۷۵)

فاقول سے ہے "اللہ" کی مخلوق تباہ
 راتیں ہی نہیں، خیر سے دن بھی ہیں سیاہ
 اس مرحمتِ عام کے باوصف اے حوش
 بگماتا ہے، کہ رزاق نہیں ہے اللہ !

(۷۶)

پوری دل کی ہدایت، ممکن ہی نہیں
 ہو ختم کبھی یہ رات، ممکن ہی نہیں
 وہ دورِ حیات ہو کہ ما بعدِ حیات
 ہستی سے مگر نجات، ممکن ہی نہیں

(۷۳)

حق کو نہ ان اربابِ یقین سے پوچھو
 صوفی سے، نہ شیخِ درسِ دین سے پوچھو
 برواشت کی طاقت ہو، تو اسرارِ حیات
 زندانِ خرابات نشیں سے پوچھو

(۷۴)

زندانِ خرابات نشیں کی آواز
 و اللہ کہ ہے عرشِ بریں کی آواز
 صہبا میں ہیں بحرِ معرفت کی موجیں
 قلقل میں ہے جبریلِ امیں کی آواز

(۷۱)

میدان میں برستا ہوا پانی تاؤ دور
 آڑی ، تر چھی ہوائیں مست و مہنور
 اس بارش کیف میں مبارک لے حوش
 یہ کیف شرابور ، یہ مستی بھرپور

(۷۲)

یہ برق کا بیج و تاب ، باراں کا زیور
 یہ گونج ، گرج ، یہ گھڑ گھڑا ہٹ ، یہ شور
 صد شکر ، کہ آج زیر موج باراں
 نشہ ہے گھٹا ٹوپ ، شرابیں گھنگھور

(۶۹)

ساتی ، نہ یہ پوچھ دُورِ ساغر کب تک
 ہاں ، دُور چلے جائے ، نہ روکوں جب تک
 صد شکر کہ ہیں نہیں ”خدا“ سے مایوس
 اور مجھ سے ”خدا“ بھی نہیں مایوس اب تک

(۷۰)

کاکل ، کھل کر بکھر رہی ہے گویا
 نرمی سے ندی گزر رہی ہے گویا
 آنکھیں تری جھک رہی ہیں مجھ سے مل کر
 دیوار سے دھوپ اتر رہی ہے گویا

(۶۶)

اے بارِ خدا ، جان چکا ہوں مجھ کو
 جانا ہی نہیں ، مان چکا ہوں مجھ کو
 پھر کیوں ہے مرے فسحِ عزائم یہ مُصر
 کہتا ہوں کہ یہ جان چکا ہوں مجھ کو

(۶۸)

برسات کا جلس ہے ، تین ہے بیہوش
 شاخوں میں لچک ہے ، نہ ہواؤں میں خروش
 آپس میں ہے بات جیت گویا موقوف
 اس طرح کھڑے ہوئے ہیں یوسف خاموش

لہ ایک معروف حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

(۶۱)

ہم رہتے ہیں تشنہ، چھک کے پینے کے لیے
 گرداب میں پھنتے ہیں سفینے کے لیے
 جلیتے ہیں، تو مرنے کے لیے جلیتے ہیں
 مرنے ہیں تو بے دریغ جینے کے لیے

(۶۲)

سیلاب، زمیں ہے۔ آسماں ہو طوفان
 آندھی کی طرح رواں دواں ہو طوفان
 ہستی کا سفر ہے، اور شب ہے تاریک
 کشتی ہے بھنور، تو بادباں ہے طوفان

(۵۹)

مُحسِنِکے سے ہے باوِ صُبحِ بوجھلِ سانی
 کُہرے سے دُھواں دُھواں ہے جھلِ سانی
 کانٹے ہوں کہ پھول، سب ہیں وُھندے وُھندے
 بوتل، ہاں جلد کھول بوتلِ سانی

(۶۰)

واماندہ وناصبور رہتا ہوں میں
 بے شائبہ شعور رہتا ہوں میں
 فریاد ہے اے شدتِ قُربِ کامل
 اپنے سے ہمیشہ دُور رہتا ہوں میں

(۵۷)

عُتْمٌ وُورِهُوَ، کس طَور سے بُلُواؤُں تھیں
 کون ایسا بَیْتَن کرے کہ پا جاؤں تھیں
 بَاؤُلٌ میں گرج ہے اور بَیْتِہَاہیں پُر شُور
 ایسے ہیں کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں تھیں

(۵۸)

برسات کے آخری ہیں بھالے، یارب
 یہ ابر کہیں بھون نہ ڈالے، یارب
 آغوش میں یا اُن کو بٹھاوے لا کر
 یا جو س کو وُنیاسے اُٹھالے، یارب

(۵۵)

عیار کی بھی عجیب قسمت ہے ندیم
 جب دیکھے بے تلامے آفت ہے ندیم
 دانش سے بلا نہ رشتہ عیاری کا
 یہ تو اک تیز رو حماقت ہے ندیم

(۵۶)

منفقو ہے رسم و راہِ آفت سانی
 اگلی سی کہاں وہ آدمیت سانی
 دے باوہ کہ اس عصر ہوسن پرور ہیں
 ہم لوگ بھی ہیں بہت غینمت سانی

(۵۳)

اے پیرِ خرابات کے اصحابِ کرام
 اے دہر کے نوڑیاںِ خاکی اجسام
 ہاں شاہدِ قَدَرَت کی طرف سے تم پر
 تاحشر لگاتا رُو رُو اور سلام

(۵۴)

بستر پہ ہے ، رسمسار ہا ہے کوئی
 آنوارِ سحر پہ پچھا رہا ہے کوئی
 کھرے میں برس رہے ہیں موتی گویا
 یوں چوہنک کے مُسکرا رہا ہے کوئی

(۵۱)

ہستی و عدم کی آجمن ہے مجھ میں
 کیا ذکر چمن ، رُوحِ چمن ہے مجھ میں
 قرونوں سے رواں ہے جو رگِ عالم میں
 وہ خونِ حیات موزن ہے مجھ میں

(۵۲)

اللہ اگر نہیں فقط وہم و قیاس
 لازم ہے کہ ہو رحمتِ کامل پے ناس
 واللہ یہ خوفِ نار و بہیم و وزخ
 اک بیوہ تخیل ہے ، اک آوارہ ہراس

(۴۹)

میکیش کا سرورِ کج کُلا ہی بہتر؟
 یا شیخ کا کبرِ حق پناہی بہتر؟
 طاعتت بہ ریا و باوہ نوشی بہ خلوص
 دونوں میں ہے کون شے الہی بہتر؟

(۵۰)

ہر سائنس میں زلفتِ جاں سنور جانی ہے
 ہر آن رگِ فکر اُبھر جانی ہے
 پڑھتا ہوں نوشتہ ہائے دستِ قدرت
 جس سمت بھی اے جوش نظر جانی ہے

(۳۷)

اے شاعرِ دانا، خس و خاشاک نہ بن
 اکسیر ہے تو، سر نہ جھکا، خاک نہ بن
 آئندہ زمانے کی امانت اہشیار
 اٹھ، لمحہ موجود کی خوراک نہ بن

(۳۸)

دن کا عالم ہے برتر از موسم و گماں
 آئینِ ریاضی کا نہیں نام و نشان
 دو دو جو ملیں تو ”چار“ کہتا ہے حساب
 دو دو جو ملیں تو ”ایک“ ہوتے ہیں یہاں

(۴۵)

بڈلا نہیں صہبا میں یہ انگور ہنوز
یہ شمع نہیں ہوئی ہے پُر نور ہنوز
شاعر تو ہے اوروں کے زمانے سے قریب
شاعر کا زمانہ ہے مگر دُور ہنوز

(۴۶)

”حال“ آنکھ سے مستور ہوا جاتا ہے
مُنہ وقت کا بے نور ہوا جاتا ہے
جو دُور تھا، آ رہا ہے میرے نزدیک
نزدیک جو ہے، دُور ہوا جاتا ہے

(۴۳)

معنی کی تب و تاب گھٹاتا ہوں میں
 جب حلقہ الفاظ میں لاتا ہوں میں
 صد حیف کہ چھلے ہوئے سونے کو ندیم
 تانبے کی رین یر بہاتا ہوں میں

(۴۴)

مجھ سے مری فطرت کا تقاضا کیا ہے ؟
 گھلتا نہیں بھید یہ تم کیا ہے ؟
 آغوش میں تم ہو، پھر بھی دل ہے سچا
 معلوم نہیں مری ثنا کیا ہے ؟

(۴۱)

برتیگا نہ کوئی آدمیت مجھ سے
 اک فرد کر گیا نہ مجھت مجھ سے
 تکرار سے دردِ دل سنانے والے
 آجباب کو ہو جائیگی نفرت مجھ سے

(۴۲)

تو کیوں مرے ہجر میں گھلی جاتی ہے
 سُرُطھتی ہے، کراہتی ہے، گھبراتی ہے
 فریاد کہ اپنے دل سے راتوں کو مجھے
 اکثر ترے رونے کی صدا آتی ہے

(۳۹)

کچھ شغل نہیں یہاں اُبھرنے کے سوا
 جی میں جو آئے، کر گزرنے کے سوا
 دیکھا تو کوئی چیز نہیں ہے پڑ ہو
 دُنیا میں کسی چیز سے ڈرنے کے سوا

(۴۰)

یوں عقدہ کھلا، کسی پہ کھولا نہ گیا
 آسرار کو ناطق پہ تو لا نہ گیا
 معلوم ہوا راز تو چھیر میں، بکھشیں
 محسوس ہوا راز تو، پولا نہ گیا

(۳۷)

تبیح ، و فورِ کاہلی ہے دراصل
 یہ شیشہ نہیں ، ظرفِ گلی ہے دراصل
 کرتا نہیں جس کے باعث انسان گناہ
 وہ زہ نہیں ہے ، بزدلی ہے دراصل

(۳۹)

کھلتا نہیں بھید ، زندگانی کیا ہے
 یہ پیری و طفلی و جوانی کیا ہے
 اک حادثہ ؟ اتفاق ؟ یا اک صنعت ؟
 معلوم نہیں حیاتِ فانی کیا ہے

(۳۵)

اِس نُزہ پہ آؤر پیرِو باطل ہونا
 اِس عِلْم کے باوجود جاہل ہونا
 حُوروں کا بچتے خُلد میں بنانا کس شیخ
 شیطان پہ ہے قرآن کا نازل ہونا!!

(۳۶)

یہ عُمرِ دو روزہ کہ ہے مانندِ سراب
 اک خندہٴ غم ہے، اک سُکونِ بیتاب
 یا سایہ ہے یہ میانِ ہستی و عدم
 یا وہم ہے اک میانِ بیداری و خواب

(۳۳)

صد شکر کہ آگے شہابی جاڑے
 کلیوں میں بسے ہوئے جبابی جاڑے
 ہلکی پھلکی رضائیوں کے قابل
 شیریں، نورس، خشک، گلابی جاڑے

(۳۴)

مکھڑے میں لیے ہوئے کچھ افسانے سے
 آنکھوں میں پھلکتے ہوئے پیمانے سے
 جس طرح اڑے سینہ گل سے خوشبو
 یوں صبح کو نکلا کوئی بُت خانے سے

(۳۱)

قُدْرَت ، انساں سے ربرِ حگ نہیں
 مَیدانِ عمل وَ سَیع ہے ، تنگ نہیں
 شاید ان شاکیانِ وُوراں کا مزاج
 قُدْرَت کے مصالح سے ہم آہنگ نہیں

(۳۲)

بی، اے، بھی ہے اہلِ مُرکب سے ہیں مُست
 دینی علماء، سو وہ بھی ماکارہ و لپت
 نزدِ اربابِ عقل اِن دونوں میں
 ”فوقِ خِرِ عینی و خِرِ دجال است“

(۲۹)

اک عمر میں ہوتی ہے بصیرت پیدا
 کرتا ہے خدا شاذ یہ دولت پیدا
 رگ رگ میں تفکر نہ اتر جائے اگر
 خود علم سے ہوتی ہے جہالت پیدا

(۳۰)

جز عقل کوئی دوا نہیں ہے واللہ
 جز فکر کوئی غذا نہیں ہے واللہ
 کاندھے پہ علوم کے چور ہتا ہو سوار
 اُس جہل کی انتہا نہیں ہے واللہ

(۲۷)

عقلوں سے جدا، غلات کرتا ہوں میں
 ذہنِ انساں کو صاف کرتا ہوں میں
 کیا مجھ کو پکارتا ہے کبے کی طرف
 ہر سانس میں سَو طوائف کرتا ہوں میں

(۲۸)

اکثر انعام — قبرین جاتا ہے
 یہ بحر — کثیف نہرین جاتا ہے
 وہ علم کہ اکسیر ہے انساں کے لیے
 گرہنم نہ ہو، تو زہرین جاتا ہے

(۲۵)

ہندو ہوں، نہ اے جو شیخ مسلمان ہوں میں
 صد شکر نہ ظلمت ہوں، نہ طوقاں ہوں میں
 آب و گل ہند سے ہوں، اور ہندی ہوں
 نسلِ آدم سے ہوں، اور انساں ہوں میں

(۲۶)

وَاللّٰهُ كَمَا بَدَأَ الْاٰنْسَانَ مِنْ طِينٍ
 وَرَجَعَهُ إِلَىٰ اِلٰهِمْ نٰفِثًا مَّا كٰنَ
 مِنْ قَبْلُ ۗ وَكَانَ اِلٰهُهُمْ غٰفِيۡلًا
 الَّذِيۡنَ يَدْعُوۡنَ اِلٰهًا غٰفِيۡلًا
 الَّذِيۡنَ لَا يَذْكُرُوۡنَ اَنۡ هُمۡ
 مِنْ عِندِ اللّٰهِ اَخۡرَاجُۡنَا
 الْاِنۡسَانَ مِنْ اَدۡنٰى اَعۡیُنِنَا
 لِيۡذُكَّرَ عَلَیۡهِ ۗ وَهُوَ غٰفِيۡلٌ
 الَّذِيۡنَ يَدْعُوۡنَ اِلٰهًا غٰفِيۡلًا
 الَّذِيۡنَ لَا يَذْكُرُوۡنَ اَنۡ هُمۡ
 مِنْ عِندِ اللّٰهِ اَخۡرَاجُۡنَا
 الْاِنۡسَانَ مِنْ اَدۡنٰى اَعۡیُنِنَا
 لِيۡذُكَّرَ عَلَیۡهِ ۗ وَهُوَ غٰفِيۡلٌ

(۲۲۳)

یا دل کو رہِ کرب میں کھو دیتا ہوں
 یا جوئےِ ظرافت میں ڈبو دیتا ہوں
 آئینِ حیات و موت ، توبہ ، توبہ
 ہنستا ہوں کبھی ، اور کبھی رو دیتا ہوں

(۲۲۴)

ساتی ، تاغیر کا نہیں ہے یہ محل
 مستوں کی طرح جھوم رہے ہیں باؤل
 دے جنتِ آبگینہ ، یعنی ساغر
 لا کعبہ سر پہ ہنسر یعنی بوتل

(۲۱)

پروردہ شیون ہے، منکلم میرا
 فریاد کی اک لے ہے ترنم میرا
 مانیکا اسے کون کہہتا ہے طلوع
 آسنو کے افق سے ہر تبسم میرا

(۲۲)

زخمِ تحقیق، دل پہ کھائے ہوئے آؤ
 نورِ مطلق سے نو لگائے ہوئے آؤ
 مڑ مڑ کے میں ہر بار نہیں دیکھونگا
 اے شمس و قمر، قدم بڑھائے ہوئے آؤ

(۱۹)

عقبتی بھی اک فریب ہے ، دُنیا بھی فریب
 قطرہ بھی اک فریب ہے ، دریا بھی فریب
 یہ کارگہر فریب ، توبہ ، توبہ
 اللہ بھی ہے فریب ، بندہ بھی فریب

(۲۰)

آغاز ہی آغاز ہے ، اور کچھ بھی نہیں
 انجام لس اک راز ہے ، اور کچھ بھی نہیں
 کہتی ہے جسے نغمہ ستادی دُنیا
 اک کرب کی آواز ہے ، اور کچھ بھی نہیں

(۱۶)

مہتاب کی ضو سے گلستاں ہے شیریں
 پہلو میں چل رہا ہے اک زہرہ جبین
 کرسی سے براق لے کے آیا ہے یہ کون؟
 کہہ دو کہ پلٹ جائے، مجھے وقت نہیں!

(۱۸)

عالم، محروم جاہ کرویگا تجھے
 صیدِ غم بے پناہ کرویگا تجھے
 اے جھوٹ کے فائدوں کے منکر انسان
 سچ بول، کہ سچ تباہ کرویگا تجھے

(۱۵)

واقف بھی ہے، آئینِ تَقْتِیْنِ کیا ہے؟
 دستورِ تَنَاسُبِ و تَطَابُقِ کیا ہے؟
 اِسْلَامِ کا ”شاہِ نامہ“ لکھنے والے
 اِسْلَامِ کو شاہی سے تَعْلُقِ کیا ہے؟

(۱۶)

تقدیر کی یہ دروغ بانی، افسوس
 برتاؤ یہ رحمت کے منافی، افسوس
 فاتحے کا شکار ہیں کروڑوں بندے
 ”اللہ کی یہ وعدہ خلافی، افسوس“

(۱۳)

ہم سائے ظلمت میں بھی تابندہ رہے
 تابندہ و پائندہ و رنخندہ رہے
 اس موت کی ہلچل میں ہمارے مانند
 یہ کس کی مجال ہے کہ یوں زندہ رہے

(۱۴)

افسوس یہ وہم کا مرانی تیرا
 یاروں سے یہ ذوقِ خوش گمانی تیرا
 حالانکہ وہی سب سے بڑا دوست ہے آج
 جو شخص نہیں دشمنِ جانی تیرا

(۱۱)

دَم میں مہ نو کو بدر کرتی ہے شراب
 از بابِ نظر کی قدر کرتی ہے شراب
 سو سال میں ارتقاء سے کھلتی ہو گزرتی
 اک آن میں شرحِ صدر کرتی ہے شراب

(۱۲)

غم ہو تو شراب و چنگ و ساقی، سب ہیچ
 طنبورہ ہندی و عراقی، سب ہیچ
 اس کا رگہ دہریں دم بھر کے لیے
 مقصد ہے فقط نشاط، باقی سب ہیچ

(۹)

اے جذبہٴ سَیْلِ ، فقروِ ریا سے نکل
 اے رُوحِ بہار ، دامِ صحرا سے نکل
 اے رازِ ازل ، نقابِ چہرے سے اُٹھا
 اے بنتِ عَنَب ، خلوتِ مینا سے نکل

(۱۰)

بُت ساز ہے تو قیر کے قابل ، مانا
 لیکن اُس کو مرے برابر نہ بٹھا
 پتھر کو تراش کر بناتا ہے وہ ”بُت“
 میں بُت کو تراش کر بناتا ہوں ”خدا“

(۷)

خود کو گم کردہ راہ کر کے چھوڑا
 حوا کو بھی تباہ کر کے چھوڑا
 کیا کیا نہ کیے "حدا" نے جنت میں جتن
 آدم نے مگر گناہ کر کے چھوڑا

(۸)

کیا پھر یہی کھونا، یہی یا نا ہوگا؟
 پھر نازِ خرزو دل کو اٹھانا ہوگا؟
 مٹتے ہیں کہ اے بخود ہی کنجِ لحد
 پھر حشر کے دن ہوش میں آنا ہوگا!

(۵)

حق کو ہو فروغ ، ہر دلی چاہتا ہے
 باطل مٹ جائے ، ہر نبی چاہتا ہے
 لیکن یہ بزرگوار جو چاہتے ہیں
 کیا قادرِ مطلق بھی وہی چاہتا ہے؟

(۶)

اپنی ہی غرض سے جی رہے ہیں جو لوگ
 اپنی ہی عبا نہیں سی رہے ہیں جو لوگ
 اُن کو بھی ہے کیا شراب پینے سے گریز؟
 انسان کا خون پی رہے ہیں جو لوگ

(۳)

افسوس کہ محدو د ہے عرفاں تیرا
 قطرے کی گرفت میں ہے طوفاں تیرا
 تو خود کو سمجھ رہا ہے جزوِ عالم
 عالم تو خود اک جزو ہے ناداں تیرا

(۴)

حق کا کوئی پابند نہیں ہے واللہ
 حق سے کوئی خورسند نہیں ہے واللہ
 اخلاص و شرافت کو ہے جس شخص پاپز
 آدم کا وہ فرزند نہیں ہے واللہ

(۱)

مہمل ہے مرے لیے نصابِ زرو و سیم
 حاصل ہے مجھے سلطنتِ عقلِ سلیم
 رکھتی ہے نگاہوں میں جو آفاق و جہات
 میری ہستی ہے، وہ رصد گاہِ عظیم

(۲)

اپنی خلوت سرا میں جاؤں کیونکر
 خود کو اپنی جھلک دکھاؤں کیونکر
 ہے سب سے بڑا فاصلہ قُربِ کامل
 اپنی ہستی کا بھید پاؤں کیونکر

رَبِّ الْعَالَمِينَ

نعرہ شاعر

میری نظر پر عیاں ، جلوہ کُوح و قلم
 میرے سُبُو میں بہاں ، چہرہ کُیل و نہار
 میرا مذاق لطیف ، ناظرِ سرو و سمن
 میری نگاہِ طرب ، نافتدِ ابر بہار
 میرے ترانوں میں گم ، جنبشِ بادِ شمال
 میرے پیالے میں غرق ، ابرِ سرِ کوہسار
 میری طربِ نگاہ میں ، حلقہٴ بیرونِ در
 شیخِ نفسِ باختہ ، صوفیِ ناقصِ عیار

ضدوں کا مجموعہ

ضدوں کا مجموعہ ہے یہ دنیا، عجب یہاں کا معاملہ ہے
نگاہِ غائر سے دیکھیے تو فنا، بقا ہے۔ بقا، فنا ہے

کبھی ہیں نیکی میں شر کے پہلو، کبھی بدی میں ہو خیر و خوبی
کوئی بگڑ کر سنور رہا ہے کوئی سنور کر بگڑ گیا ہے

کہیں شعا عین ہیں اتنی شہم، نگاہِ گم ہو کے رہ گئی ہو
کہیں چکا چوندھ کا یہ عالم، نظر کا رشتہ سلگ رہا ہے

کہیں مرض، عینِ تندرستی۔ کہیں ہو صحت، مرض میں داخل
کہیں تجلی میں گتھیاں ہیں، کہیں سیاہی گرہ کُشا ہے

آہِ شَرَرِ

اے شَرَرِ، اے محرمِ دُورِ گُلِ افشاں ہائے ہائے
 اے میرے دیوانہ، آشفقتہ ساماں ہائے ہائے
 لکھنؤ کی وہ بہارِ غنچہ برکت واسطے عم
 آگے کی وہ یسیم گُلِ بداماں ہائے ہائے
 میرے جاں پرور رفیقِ غنچہ و گُلِ، آہ آہ
 میرے دیرنیہ انیسِ باد و باراں ہائے ہائے
 کیوں دُعا میری نہ پہونچی آہ تا مابِ قبول
 مجھ کو تجھ سے کم نہ تھا مرنے کا ارماں ہائے ہائے

ضدِ پانی

نرم خودِ پانی کہ چھوئے ہی بعد شانِ نیاز
 چھوڑ دیتا ہے جگہ اپنی ، مگر اللہ کے ناز
 ونگ ہو جاتا ہے اس سے سنگتِ آہن کا غرور
 کیونکہ یہ اپنی جگہ پر آ کے رہتا ہے ضرور
 یہ وہ اک بہتی ہوئی ضد ہے بشانِ پیچ و تاب
 پتھروں کے عزم ہو جاتے ہیں جس سے آب
 پائے انسانی پہ جھک سکتی ہے لوہے کو جنہیں
 نرم پانی رام ہو جائے ، یہ ممکن ہی نہیں

بُجھ سے

اے کہ فردوس، جہانِ گزراں ہے بُجھ سے
 عسرتِ کارِ گہِ بزمِ جہاں ہے بُجھ سے
 صنمِ ناورہ گفتار و بُتِ سحرِ مقال
 آہ و شیون پہ بھی نعموں کا گماں ہے بُجھ سے
 میری ہر جنینش مژگاں سے ٹپکتی ہے شراب
 گرم بازاری رندانِ جہاں ہے بُجھ سے
 اے برے شاہِ شیرین و صبیح و گلِ رنگ
 بینش ویدہ صاحبِ نظراں ہے بُجھ سے
 اے مرے سروِ حرامانِ لبِ ساحلِ گنگ
 رونقِ تہج و خیمِ آبِ رواں ہے بُجھ سے

فیضِ مے

کوئی موسم ہو۔ بہ فیضِ مے سرچش لے دل
 گلُ تو گلُ، خار بھی ہے شاہِ گلِ پوش لے دل
 مجھ کو ہر سانس سے پھولوں کی ہسکا آتی ہے
 ہر نفس کون ہے یہ زینتِ آغوش لے دل
 زندگانی پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے
 ایک لمحے کو بھی آتا ہے اگر ہوش لے دل
 رکھتے ہیں گوئے دو عالم کو خمِ چوگاں میں
 مَرَّجِبًا اہمتِ رندانِ بلا نوش لے دل
 کون یہ مُطربِ تکلیں ہے تری جنبش میں
 اک نفس کو بھی جو ہوتا نہیں خاموش لے دل

آجا

اے کہ تجھ بن دلِ بیمار تپاں ہے ، آجا
 اے مری دولتِ بیدار کہاں ہے ، آجا
 تاک میں عمرِ دوروزہ کے ہے بے ہر قضا
 گھات میں فصلِ بہاراں کے خزاں ہے ، آجا
 ان برستی ہوئی رگمین گھٹاؤں کے طفیل
 ایک پھل سی سر آبرو واں ہے ، آجا
 پھر طرب خیز ہے ، معمورہ عالم کی بہار
 پھر جنوں خیز ، حیاتِ گزراں ہے ، آجا
 اے مری پر وہ نشینِ حرمِ ناز و نعیم
 دیدہ دل تری جانتے نگر اں ہے ، آجا

آئیے

تمکے ہوئے ہوائے بہاراں میں آئیے
 وقتِ سحر قریب ہے بُتیاں میں آئیے
 بکھرا کے رُوئے تازہ پہ شبِ رنگِ کاکلیں
 نکتہ سرائے شہیل و رجاں میں آئیے
 کلیوں کو ہو غرور، تو پھولوں کو ناز ہے
 ہنستے ہوئے زرا چمنٹاں میں آئیے
 ناشستہ عارضوں میں ہے رنگینوں کی وُصوم
 اِس گلُتیاں کے ساتھ گلُتیاں میں آئیے
 واقف نہیں ہیں جوشِ کُرتے سے آپا بھی
 اک دن تو کوئے باوہ فروشاں میں آئیے

یہ خرابات ہیں

یہ خرابات ہے تقویٰ کو نہیں بارہیاں
 ہے تو بس میر سبش زندانِ سیہ کارہیاں
 ایک اک حرف ہے اک ذقیروحی والہام
 ایک اک ذرہ ہے آئینہ اسرارہیاں
 مصر میں حضرت یوسفؑ کی خریداری تھی
 خود جمال مہر کنگاں ہے خریدارہیاں
 یاں نواہی پہ ہے پوشیدہ اوامر کا مدار
 نقطہ نور پہ ہے دائرہ نارہیاں
 دنگ ہے شانِ رسولانِ بنی اسرائیل
 الاماں، عزتِ زندانِ قدحِ خوارہیاں

نمازِ صَبُوحی

وفا شعار ہوں ، ترکِ وفا نہیں کرتا
 کبھی نمازِ صَبُوحی قضا نہیں کرتا
 سوائے باوڈہ ویرینہ و بُتِ فوجینہ
 خدا سے اور کوئی نہیں موعا نہیں کرتا
 چونامراد کہ کرتا نہیں گناہ کوئی
 وہ بحق حضرت آدمؑ ادا نہیں کرتا
 جزائے خیر کا اس بخود ہی پہ طالب ہوں
 کہ میں قصورِ یومِ جزا نہیں کرتا
 ہزار بار کیا عہد، ترکِ صہبا کا
 مگر تبسمِ ساقی خطا نہیں کرتا

پشیمانی

جب یہ ظاہر ہے کہ انسان کی قدرت میں نہیں
 کشتہ زہد کہ آسودہ رِعضیاں ہونا
 جب کہ ماخول و وراثت پر ہے مبنی ہر فعل
 بس میں تاریک ہی ہونا ہے ، نہ تاباں ہونا
 جب یہ ثابت ہے کہ انسان کے قبضے میں نہیں
 بستہ کفر کہ وابستہ ایماں ہونا
 جب کہ یہ حرمِ مشیت ہے کہ بے حکم قضا
 ”آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا“
 تو پھر از روئے خرد سب سے بڑا ہے یہ گناہ
 کسی انساں کا گناہوں پہ پشیمانی ہونا

شہر یارِ گل

میں شہر یارِ گل ہوں ، شہنشاہِ لالہ ہوں
 شکرِ خدا کہ غرقِ شرابِ دو سالہ ہوں
 اب تک ازل سے جو کبھی خالی نہیں ہوا
 ساتی کے ہات کا وہ چھلکتا پیالہ ہوں
 سنتا ہے محتسب ؛ کہ مرا نامہ عمل
 کہتا ہے میں بہشتِ بریں کا قبالہ ہوں
 کب سے بہ شغلِ صیدِ نگارانِ تیز گام
 وابستہ رہی گئی ہر غزالہ ہوں
 اے جو میں اپنی دولتِ آغوش کی قسم
 میں ماہتابِ حُسن و جوانی کا ہالہ ہوں

خدا خیر کرے

مسّتِ صہبائے ترمّ ہوں ، خدا خیر کرے
 آج پھر مجھِ تبتسّم ہوں ، خدا خیر کرے
 ہو نہ جاؤں کہیں تکمینِ مُسَلِّل کا شکار
 آج پھر غرقِ تلاطم ہوں ، خدا خیر کرے
 نالہ و آہ کی آواز گمراہ میں ہے
 رامش و رنگ میں پھر گم ہوں ، خدا خیر کرے
 کہیں تاحشر نہ چھا جائے خمّستی دن پر
 اُن سے پھر گرم تکلم ہوں ، خدا خیر کرے
 بن کے رہ جاؤں نلے حومت کہیں مثلِ ہرپ
 آج پھر رُکشِ قَلزَم ہوں ، خدا خیر کرے

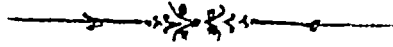
جلالِ محبوب

شب کہ یارِ دل نشیں ، آتشِ فروزِ جنگ تھا
 گنبدِ کونینِ دُودِ سوزِ غم سے تنگ تھا
 ماہِ تاباں تھا کہ اک گرتی ہوئی آنسو کی بُوند
 لالہ و گلُ تھا کہ اک اُڑتا ہوا سازنگ تھا
 ہو گئے تھے گوشہ ہائے دل میں گم وہ ولولے
 عرصہ کون و مکاں جن ولولوں پر تنگ تھا
 میرے دل کی لرزشیں تھیں اسکے جلووں کا خباثا
 میرے ماتھے کا پسینہ اُسکے رُخ پر رنگ تھا
 الغرض یوں غیظ میں بکھری ہوئی تھی زلفِ ناز
 جوشِ سا شاہِ مُخنن بے افسر و اورنگ تھا

کون سی حسرت ہے جو غلطاں ہر میرے قلب میں
 کون سی لیلیٰ ہے جو مضطربِ مریٰ عمل میں ہے
 اُف، الہ، دہر بننے کی تمنا، الاماں
 جو ازل کے روزے پھیدہ مئے دل میں ہے!



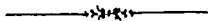
اُلوہیت کا ارمان



سخت حیراں ہوں کہ کیونکر چش اندازہ کروں
 کیا تمنا ہے مری ، اُو ر کون سی منزل میں ہے
 آہ کس دانا سے پُوچھوں بھی اس طوفان کا
 یہ جو اک طوفان میرے شہرابِ گل میں ہے
 گو بہ فیضِ عشق اب محسوس ہوتی ہے یہ بات
 مشعلِ کون و مکاں گویا مری مخمل میں ہے
 پھر بھی مجھ کج بخت کو بلتا نہیں دم بھر فراغ
 کس کو سمجھاؤں یہ جانِ زار کس مشکل میں ہے

خوفِ جہل

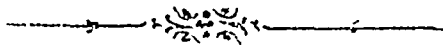
تیرگی سے نہیں کوئی ڈرتا
 بلکہ اس سے کہ اس میں کیا ہوگا
 دل کو ظلمت نہیں ڈراتی ہے
 جہل سے رُوح تھرتھراتی ہے



فرطِ بُزدلی

جس طرح گریزِ مسرت میں
 لوگ فرطِ خوشی سے روتے ہیں
 یو نہیں کہتے بہادری کے کام
 بُزدلی کی مدد سے ہوتے ہیں

تاج ہر کیش کے گرانے کو
 باعنی سخت کوش آ پہونچا
 خوش ہو اے خفتگانِ خاربدل
 شاعرِ گلِ فروش آ پہونچا
 مردہ اے شاکیانِ عقل و ہوش
 فاتحِ عقل و ہوش آ پہونچا
 پھر گھٹا سیکرے پر پچھا جائے
 کہ وورمت سے جوش آ پہونچا



ترانہ آمد

لو، خمستاں میں جو سن آہو نچا
 گل بکف، انم بدو سن آہو نچا
 پھر اٹھا شورِ نعرہ صلوات
 پھر وہی بادہ نوش آہو نچا
 اپنے اشعار کی جلو میں لے
 صد نوائے سروش آہو نچا
 جھومتا مثل ابر آزاری
 باہنزاراں خروش آہو نچا
 مرد "امروز" - محو کرنے کو
 غم "سند اودوش" آہو نچا

ہر فرد حکومت ہے مری آنکھ کا تارا
 ہر "خان بہادر" ہے مری گود کا پالا
 اتنے میں اک انگریز نے اک قصر کے در سے
 آہستہ سے پٹ کھول کے سر اپنا نکالا
 پیشانی گلزنگ پہ کج افسر شاہی
 آنکھوں میں فسوں، ہاتھ میں سونے کا نوالا
 یہ دیکھتے ہی پسر زین لیگ یکا یک
 دوڑی بڑی شفقت سے اٹھائے ہوئے مالا
 مالے کو پہناتے ہی بہ اندازِ محبت
 چہرے پہ نظر گاڑ کے آنچل کو شنبھالا
 اور کہنے لگی پیار سے، لے لے کے بلائیں
 "اے نور نظر! سلمہ اللہ تعالیٰ!!"

کافر کو جلاتی ہوں سیرتِ تارِ جہنم
 مومن کو عطا کرتی ہوں جنت کا قبلا
 آہی نہیں سکتا میرے مُسہ "لالہ" بزول
 میں پاک، وہ ناپاک، میں گوری ہوں، وہ کالا
 کیا اُس کا مرا ذکر، وہ ویسی، میں بدیشی
 نہیں مصر کی مسجد، وہ بنارس کا شوالا
 گنگا کی ہراک لہریں غلطیدہ ہے یستی
 دَجلے کی ہراک موج میں رقصاں ہے ہمالا
 کُفار کے ذل، اور مرے چند سپا ہی
 اعدا کے پرے، اور مرا ایک رسالا
 بھڑکوں تو ابھی سینہ گیتی کو جلا دوں
 گرجوں تو ابھی چرخ کو کر دوں تہ و بالا

پیرزن لیگ

کل رات کو کیا خواب تھا یہ حضرت آزاد
 آغوش میں طلعت کے ہے سہما سا اُجالا
 سہمے سے اُجالے ہیں ہے اک پیرزن مُند
 اوڑھے ہوئے شہائے جوانی کا ووشالا
 یوں گرم سخن ہے کہ جو اللہ نے چاہا
 کروں گی میں اسلام کی دُنیا میں اُجالا
 اک بوند میں بہ جائے گی تعمیرِ دو عالم
 چھلکے گا میرے صبر کا جس وقت پیالا
 ہاں، لیگ ہوں، اسلام کی ویرنیہ مُجاہد
 ہر بات مری تیغ ہے، ہر سانس ہے بھالا

بول، ہجڑوں زلف گزیدہ، دل حیراں کب سے؟
 زہرِ کاکل ہے مے خون میں غلطاں کب سے؟
 کس قدر لُو کے تھلیسٹے ہیں یرانشتاں تجھ میں؟
 کتنے طوفان ہیں، اے سینہ سناواں تجھ میں؟
 دست و بازو میں ہیں بیھرے ہوئے دریا کیا کیا
 اس کھن یا میں ہیں تپتے ہوئے صحرا کیا کیا
 سر میں ہیں، شورشِ کونین کے کس بل کتنے!
 گم ہیں کانوں میں گرجتے ہوئے بادل کتنے!
 برت و باراں سے ہوئیں دشت میں ماتیں کیا کیا
 غرق ہیں دل میں رستی ہوئی راتیں کیا کیا
 رند ہیں خون کے دریا میں نہانے والے
 جا بھی اے سیلِ حوادث سے ڈرانے والے

پُوچھو، دَم بھرتا ہے کب سے مری مداحی کا
 تجسربہ، مملکتِ حُسن کی سیاحی کا
 مانتی ہیں سَنفِ صُعب کی گھاتیں مجھ کو
 خوب پہچانتی ہیں خوف کی راتیں مجھ کو
 کب سے دیوانہ خرامی کو مری جانتی ہیں
 ظلمتیں مجھ کو، مری چاپ سے پہچانتی ہیں
 بول، اگر نطق ہے، لے دیدہ حیراں، مجھ میں
 کہتے پُرہول شب و روز ہیں غلطان مجھ میں
 تو نے کیا کیا نہ اٹھایا ہے، مری رُوح نیاز
 تیز کرنوں کا غرور، اور کڑھی دُھوپ کا ناز
 کس قدر شدتِ سرما کے ہیں خنجر مجھ میں؟
 جذب ہیں کہتی سلیں برف کی، لے سر مجھ میں؟

بھر میں آگ لگاتی ہے کہانی میری
 گرمی برق پہ ہنستی ہے جوانی میری
 کتنے گرداب میں دیکھے ہیں کنارے میں نے
 کتنے کالے ٹپے ہیں مچلتے ہوئے دھارے میں نے
 کتنے آویان کی موڑی ہے کلائی میں نے
 کتنے اصنام کو بخشتی ہے خدائی میں نے
 شوق نے پاؤں سے مسلی ہیں وہاں کیا کیا
 عشق نے بھر کی جھیلی ہیں بلائیں کیا کیا
 کتنا ابچھا ہوں ترڑتے ہوئے ارمانوں سے
 کتنا کھیلا ہوں اُمنڈتے ہوئے طوقانوں سے
 خوفِ جاں ہی نہیں، ہر خوف پہ خداں ہوں میں
 اک رہا خوفِ "مُخدا" خیر، مسلمان ہوں میں

ہوں، اگر حشر ہیں دُنیا کے بلا خانے میں
 ایسے ٹکڑے ہیں بہت سے مے افسانے میں
 کیا بھلا خوف میں کانٹوں کے گرفتار ہوں میں
 جس کو پھیلوں نے ڈسا ہے وہ لنگاروں میں
 موجِ صرصر سے ڈراتا ہے اُسے تو بیکار
 پھینک چکا ہو جو نسیمِ سحری سے سو بار
 اُس کو شعلوں سے ڈراتا ہے کوئی لے ہدم
 تو جوانی میں جسے پھینک چکی ہو شبنم
 قبریاں کو سمجھتا ہے وہ ازرقِ نیاز
 مہرِ خوں کا جو مقبول ہے اے محرمِ راز
 تیغِ دشمن سے جواں مرد بھی ڈرتے ہیں کہیں
 خنجرِ دوست کے مارے ہوئے مرنے ہیں کہیں

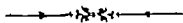
سیرِ گلزار ہے، شعلوں کا بھڑکنا مجھ کو
 لیکن شیریں ہے کمانوں کا کرکنا مجھ کو
 اپنے تابندہ روایات کی کھاتا ہوں قسم
 زہرا مرت ہے مرے حق میں، جرات مرہم
 رقص کرتا ہوں میں چلتی ہوئی تلواروں پر
 نیند آتی ہے دکتے ہوئے انگاروں پر
 اُس کو کیا خوف ہو چلتی ہوئی تلواروں سے
 مڈتوں کھیل چکا ہو جو طرہ داروں سے
 اب مصیبت ہے، مصیبت کا نہ ہونا مجھ کو
 کر دیا عشق کی نرم آغے نے سونا مجھ کو
 ہوں، اگر دہریں اتار ہیں پیکاروں کے
 زخم ہیں دل پہ مرے حُسن کی تلواروں کے

رند ہیں موت کے دھارے میں ابھرنے والے
 موت کے نام سے ڈرتے نہیں، مرنے والے
 موت کا جام ہے صہبیا کی صراحی مجھ کو
 موت کے نام سے آتی ہے جماہٹی مجھ کو
 رُوح ہے مجھ میں مصعوبت کے پرستاروں کی
 نشہ ہوتا ہے مجھے چھاؤں میں تلواروں کی
 برسوں جھولا ہوں اُن اجداد کے گہواروں میں
 صُبحِ مُنہ دیکھتے تھے اُٹھ کے جو تلواروں میں
 تیغِ خوں ریز سے بڑھ چڑھ کے تھے ابرو جن کے
 تیر سینوں ہی میں ہوتے تھے ترازو جن کے
 جانتا ہی نہیں در ماندہ و حیراں ہونا
 کھیل ہے، غم سے مجھے دست و گریباں ہونا

مشورے ہیں مری تحزیب کے گمراہوں میں
 کہتے بزدل ہیں کہ بیٹھے ہیں کیننگا ہوں میں
 ہاں ، وہ کہتے ہیں مجھے بادہ کش و نامہ سیاہ
 جن میں باقی نہیں اب جراتِ رندی و گناہ
 ہاں ، سیاست کو بھی کچھ بغض نہیں کم مجھ سے
 طرہٴ افسیر شاہی بھی ہے یرحم مجھ سے
 ہاں ، مری سکت ہے ، تقدیر سے دونوں کی نگاہ
 خواہ وہ محاسبِ تہرہ ہو ، یا شحنہٴ شاہ
 شیرہی مجھ سے پریشاں نہیں ، روباہ بھی ہے
 ”شاہ صاحب“ بھی مری فکر میں ہیں ”شاہ“ بھی ہے
 تو گر خوف دلاتا ہے عبت ، یارِ جلیب
 پھر تو دہرا کہ تری موت کی ساعت ہے قریب

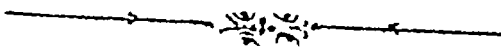
جن پر اک عمر سے تقلید کا نازل ہے عذاب
 وہ مجھے کافر و زندق کا دیتے ہیں خطاب
 میں نے خورشیدِ حقائق کو جو چمکا یا ہے
 خون، اڈھام کی آنکھوں میں اتر آیا ہے
 ہاں، نہیں واقف ہوں کہ برگشتہ ہیں مجھ سے وہ عوام
 جن کے افکار کو یرقان ہے، عقول کو جذام
 جن کا ادراک، نقصان سے غذا پاتا ہے
 جن کو بوئے گل و نسریں سے بخار آتا ہے
 بھونکتے ہیں میرے افکار پہ وہ خانہ خراب
 خود کو ”علامہ“ و ”شاعر“ کا جو دیتے ہیں خطاب
 مسلکِ قدر کا ہر سالکِ بیہودہ مزاج
 میری آزاد روش سے ہے برا فروختہ آج

زندہ ہزار شیوہ



ہنہشیں مجھ کو لرزتے ہوئے آگاہ نہ کر
 کہ ہلانا نیز حوادث کی نظر ہے مجھ پر
 ہاں میں واقف ہوں کہ او ہارم زبوں کے فرزند
 پھینکنا چاہ رہے ہیں مرے قلعے یہ کمند
 میری آواز سے ہے روحِ قدامت کو عناد
 میرے افکار سے آشفقتہ ہیں اربابِ فساد
 ہاں مری جان کے دشمن ہیں خیالاتِ عقیم
 ہاں، مرے خون کے سیاہے ہیں وایاتِ قدیم

تیرے مستقبل کی جانب جب اٹھاتا ہوں نگاہ
 چرخ پر اڑتی ہوئی کچھ دھجیاں پاتا ہوں میں
 دوشِ آبا پر تری ہستی کو اے ننگِ حیات
 جو نہ اٹھ سکتا ہو وہ بارِ گراں پاتا ہوں میں
 حیث تیری نو جوانی پر ہیں پری کے نشاں
 دوسری قوموں کے بوڑھوں کو جاں پاتا ہوں میں
 زندہ قوموں کے جاں ہیں چہرہ آباء کا رنگ
 اور تجھے روئے پدر کی جھڑیاں پاتا ہوں میں
 آگ بجھ جائیگی، چھاتی سرو و غم ہو جائیگی
 چونک ! ورنہ زندگی کی نیشہت ختم ہو جائیگی

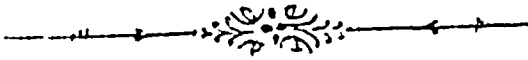


بوڑھے نوجوان



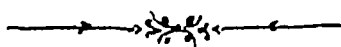
اے مرے ہندوستان کے مُردہ خصلت نوجوان
 تیرے خال و خط میں پیری کے نشاں یا تا ہوں میں
 تیرے بے سالار، اندھے کارواں کی راہ میں
 ہر قدم پر اک بلائے ناگہاں پاتا ہوں میں
 جس کو تو سمجھے ہوئے ہے ایک بے پایاں عروج
 اُس کو نہتہیدِ زوالِ بکیراں یا تا ہوں میں
 سخت حیراں ہوں کہ لے ناواں یہ ایں افلاس و ہیل
 تجھ کو مُستاقِ شرابِ ارغواں پاتا ہوں میں

گرووں پیالہ کش ہے۔ تو گیتی قرابہ نوش
ہم اور اس بہار میں خوفِ خدا کریں
پی پی کے، جھوم جھوم کے، گاگا کے مثلِ جوس
آ، دھوم سے عبادتِ آب و ہو کریں



ہتھکیں قدم قدم یہ ، چلیں جھوم جھوم کر
 اتنا تو یاسِ خاطرِ موجِ صبا کریں
 ساغر میں غرق کر کے لباسِ فریب کو
 پیرانِ خرقہ پوش کے حق میں دُعا کریں
 ہر شے ہے پائے لیلیٰ مستی پہ سجدہ ریز
 اور ہم نمازِ جام و صراحیِ قضا کریں !
 برسات کی گھٹاؤں سے برسیں گلابیاں
 اور ہم و خاؤں سے سُشت و شوئے دست و پا کریں
 گلشنِ کا ڈرہ ڈرہ پئے بے دھڑک شراب
 اور ہم خیالِ مریسہ شِ روزِ جزا کریں
 ہکے عوا، رواں ہو قضا، مست ہو گھٹا
 اور ہم خرد کو راہِ سرو رہنا کریں۔

حی علی خیر العمل

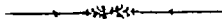


آ، ہنشیں ، نمازِ صُبحی ادا کریں
 خوشبوئے عُوُد میں درِ میخانہ واکریں
 ہاں اُٹھ کہ ہر شیشہ گلُ رنگ توڑ کر
 انسانیت کو دامِ خرد سے رہا کریں
 باقی جو بچ رہا ہے کچھ ایمان، خیر سے
 اُس کو بھی آج پائے صنم پر فدا کریں
 پودے مچل رہے ہیں، گھٹائیں ہیں پُرخروش
 آ، ہم بھی آج حقِ جوانی ادا کریں

(۸)

نہ گکا، حُسنِ بازار کے راگ، ناواں
 یہ پانی نہیں، آگ ہے آگ، ناواں
 یہ کانٹل نہیں، ناگ ہے ناگ، ناواں
 ارے بھاگ ناواں، ارے بھاگ ناواں

وہ ریگکا ارے ناگ۔ ہشتیار ارے دل
 خیردار ارے دل، خیردار ارے دل



حماقت ہے اس حُسن پر جان دینا
 سفینہ اس آبِ تنگ میں نہ کھینا
 کہ یہ بحرِ امراض و غم کا ہے پھینا
 کہیں چکھ نہ لینا، کہیں چھو نہ لینا

یہ مَوَجیں ہیں سیال آزاراے دل
 خیرداراے دل، خیرداراے دل

ترا گریہ مُستقل کچھ نہیں ہے
 ترا چہرہ مُضمحل کچھ نہیں ہے
 تری اُلفتِ مُشقیل کچھ نہیں ہے
 کہ مایاں جیبِ سب کچھ ہے، دل کچھ نہیں ہے

یہ گاہک ہے زرد کا خریدار اے دل
 خیر دار اے دل ، خیر دار اے دل

(۵)

بظاہر مجتہد ، باطن ستم ہے
 جو دیکھو تو امت ، جو چکھ لو تو ستم ہے
 یہ نازک سے پکیر میں چو پیچ و خم ہے
 تشبیہ و اصل بہرِ درم ہے

تشبیہ میں ہے جنبشِ ماراے دل
 خبرداراے دل ، خبرداراے دل

(۴)

نہ کھا، دیکھ، موجِ تبسّم کا دھوکا
 یہ بلبل میں ہے، سیم و زر کی تمنا
 یہ نفی کہ تو دل سے جن پر ہے شیدا
 یہ سکوں کی جھنکار کا ہے تقاضا

تقاضی۔ بناوے جو نادرے دل
 خبردارے دل، خبردارے دل

(۳)

تینم میں اس کے ہے آؤ بار پنہاں
 او اوں میں ہے نرخ بازار پنہاں
 مہکتے نفس ہیں آزار پنہاں
 چکیتی کمر میں ہے تلو ار پنہاں

جو رشتہ رگ اڑا دے، وہ تلو ار کے دل
 خبردار کے دل، خبردار کے دل

(۲۲)

یہ عبرت کی محفل ہے، عسرت کی منزل
 معاذ اللہ! اس نجد کا حسین محل
 اگر ڈور ہے تو میسحا مماثل
 جو نزدیک آئے تو سفاک و قاتل

اسے بھول کر بھی نہ چمکارے دل
 خبردار اسے دل، خبردار لے دل

خبردارے دل!

(۱)

خطرناک ہے حُسنِ بازارے دل
 یہ صحت کا پتھر ہے بیازے دل
 دکتے ہیں ہر چند رُخسارے دل
 مگر یہ ہیں تارِ یکِ انوارے دل

یہ کا فبِ سحرِ شبِ تارے دل
 خبردارے دل ، خبردارے دل

آب ترے سر پہ نہیں ابرِ ملامت کی گرج
 اور میں ہوں ہدفِ ناوکِ دُشنام ہنوز
 خارج از بحث ہے اب تیرا گناہِ اُلقت
 اور محبت کا، مرے دل پہ ہے الزام ہنوز
 ہو چکی ہے تری ناکر وہ گساہی ثابت
 اور مرے جرم کا ہے غائلہ عام ہنوز
 داد دے اے مرے ڈوارو شہرِ ناموس
 حوش ہے کیچہ و بازار میں مد نام ہنوز

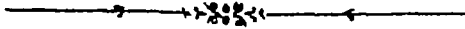


حسبِ اوقات مُقرر ہے ترا رامش و رنگ
 اور یہاں ایک ہے رنگِ سحر و شام ہنوز
 پختہ کاری میں گرفتار ہے اب عقلِ تری
 اور یہاں دل ہے ایسیر ہو بس خام ہنوز
 رنگِ چہرے کا اڑاتا ہے ترا ذکر اب تک
 نیند آنکھوں سے چراتا ہے ترا نام ہنوز
 اب تری شمع ہے اور خلوتِ محرابِ حرم
 یاں چراغاں ہے سرِ رہنورِ عام ہنوز
 تجھ کو اک عمر ہوئی بندِ وفات سے چھوٹے
 جانِ محزون ہے یہاں مُرغِ تیرِ دام ہنوز
 پھر سے کھوئی ہوئی تو قیر کے پانے والے
 دیکھ، حقیر کے شایاں ہے مرا نام ہنوز

ہنوز

سس کہ آئینہ آغاز ہے انجام ہنوز
 واما میں نشتر سا کھٹکتا ہے ترا امام ہنوز
 تیری جانب سے نہ نامہ ہے نہ مدت کی پیام
 اور یہاں ہے خلعت نامہ و پیغام ہنوز
 ہو چکی ہے ترے گھر صبح سعادت طالع
 اور مرے خانہ تار یک میں ہو شام ہنوز
 تجھ میں اب ولولہ عیش و طرب ہے بیدار
 اور یہاں غم یہ مُصر ہے دلِ ناکام ہنوز
 تیرے خلوت کدہ ناز میں ہے چگت رباب
 اور یہاں بزمِ تنائیں ہے کُرام ہنوز

جی بھرا آیا ، قلب کا نیا ، رُوح تھرانے لگی
 یک بیک ، بیٹے کے سہرے کی مہک آنے لگی
 بھاپ اُٹھی یوں دل سے ، نقشہ کھنچ گیا فرزند کا
 چشمِ تریں عکس کا تپا بے نشاں دل بند کا
 عکس ، پہلے تو خدا معلوم کیا کہنے لگا
 باپ کے چہرے پر آنسو بن کے پھر بہنے لگا



سپاں عکسین

—۱۱۳۹۹—

صبح چونکا ایک بوڑھا آدمی مار و نزار
 صحن میں دیکھا بہو بیٹھی ہوئی ہے سوگوار
 سر سے لے کر پاؤں تک اک پکیر اندو لگیں
 لب پہ ہشکی، ران پر کہنی، ہتھیلی پر جبیں
 کسنی پر رُوح فرسا بیڑگی مہمانی ہوئی
 نوجوانی کو، فسوں عم سے نیند آئی ہوئی
 دیکھ کر سوتے فلک بوڑھے نے کھینچی آہ سرد
 اس طرح بھیکائیں پلکیں اڑ رہی ہو جیسے گرد

قرض کی درخواست کی اُلجھی ہوئی تقریریں
 چکنکچی اعصاب کی، بیچین دل کی لرزشیں
 اک طرف حاجت کی شدت، اک طرف غیرت کا جوش
 نطقت پر حرفِ تمنا، دل میں غصے کا خروش
 جنبشِ مڑگاں کے زیرِ سایہ، ناداری کی رات
 جوہرِ انسانیت، جوڑے ہوئے آنکھوں میں بات
 سالن، دہشت سے زمیں کی، آسماں روکے ہوئے
 مفلسی، مروانہ لہجے کی عناں روکے ہوئے
 لب پہ خشکی، رُخ پہ زروی، آنکھ شرمائی ہوئی
 چشم و آبرو میں خودی کی آگ کجلائی ہوئی
 نفس میں شیرانہ تیور، آرزو، رُو بہ مزاج
 احتیاج و احتیاج و احتیاج و احتیاج!

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہوا
 بے زری کی تار سے اخیڑتا ہوا
 مُفْلِس

(۲)

ضعف سے آنکھوں کے نیچے پتلیاں پھرتی ہوئی
 آویج خود داری سے دل پر بجلیاں گرتی ہوئی
 لاشِ کاندھ پر خود اپنے جذبِ تکریم کی
 نلبتھی چہرے پہ لہریں سی اُمید و بیم کی
 عزتِ اجداد کے سر پر و ما دم ٹھو کریں
 رشتہ آواز پر لفظوں کی پیہم ٹھو کریں
 چہرہ افسردہ پر ٹھنڈا پسینہ شرم کا
 سست بنیں، بھیک کا لہجے کے اندر ٹھیکرا

خوب لے لے کر ڈکاریں، دل کو بہلاتا ہوا
 دونوں نتھنوں کو پھلائے، توند سہلاتا ہوا
 ہنس کے غوطے، آبِ سرد و گرم میں دیتا ہوا
 قرض کے طالب کے دل کا امتحاں لیتا ہوا
 عذر کرتا پئے بہ پئے، تیوری چڑھاتا بار بار
 شدتِ حاجت کا اندازہ لگاتا بار بار
 کشتی ہستی کو جوئے سیم میں کھیلتا ہوا
 اُلٹی سانسیں، فرہی کے بارے، لیتا ہوا
 رُخ کی تاریکی پہ زر کی سُرخیاں چھانی ہوئی
 بے حقیقت خاک۔ سونا بن کے اترانی ہوئی
 کان کے بالے، نمودِ زر کا دم بھرتے ہوئے
 سود کے بارے میں کچھ سرگوشیاں کرتے ہوئے

قہاجن اور مفلس

قہاجن

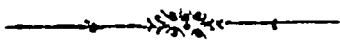
(۱)

قد کی لبائی سے اک حد تک کمر جھولی ہوئی
 سر پہ ٹھٹیا، مُردہ چوہے کی طرح بھولی ہوئی
 وانت سیلے، پنڈلیاں پیچیدہ، دھوتی وانڈار
 ناک میں مونچھیوں کے گونچے، پیٹ میں تخی می کا غار
 سامنے غلے کے یرب، پشت پر الماریاں
 بے سغوں میں کروٹیں لیتی ہوئی زرداریاں
 کہنیاں، تنکے کے اندر، وزن سے، دھنستی ہوئی
 جُست صدری، دائرے پر توند کے پھنستی ہوئی

خاموش ہواؤں کا ہے خاموش ترانہ
ہمراہ زمانے کا فسوں ہے ، نہ فسانہ
آوازِ رحیل اور نہ گلِ بانگِ چخنانہ
ہاں موت کے ناقوں پہ ہو علم لوگ روانہ

ان میں سے کسی ایک پہ جھکو بھی بچھڑ

اے قافلے والو !



ہوگا کوئی مجھ سا بھی نہ اندوہ رسیدہ
 درگلشنِ مَنْ یکِ گلِ عشرت نہ دیدہ
 ”گرگِ دَہنِ آلودہ وُیوسفِ ندریدہ“
 میں کب سے پڑا ہوں صفتِ اشکِ چکیدہ

ممکن ہو اگر، خاک سے جھکو بھی اٹھا لو

اے قافلے والو !

(۴)

گزروں بھی تو کس طرح جہان گزراں سے
 لاؤں بھی تو اب قوتِ رفتار کہاں سے
 اب زور ہی دل میں نہیں فریاد و فغاں سے
 اب ایک قدم بھی نہیں اٹھتا یہاں سے
 دل کے نہ سہی، پاؤں کے کانٹے ہی نکالو
 اسے قافلے والو !

(۳)

کہتے ہیں مرا "رُوپ" گیا دُور۔ بہت دُور
 رہتا تھا جو آنکھوں میں، ہوا خاک میں مَسْتُور
 بیزار ہوں جینے سے مجھے مَوْت ہے منظر
 اِدا کی دو بھینک کہ ہوں بندہ مجبور

اک بندہ مجبور کا ارمان نکالو

اے قافلے والو!



گوئی ہوئی آفاق میں آوازِ نغاں ہے

یوں ماتم سرِ حلقہٴ رندانِ جہاں ہے

ہر آنکھ سوے مرگِ چسرتِ نگرانِ ہے

لِلّٰہِ تَبَاؤُتُوْمِرَا "رُوپ" کہاں ہے

جس سمت ہے وہ جھکو بھی اُس سمتِ بلا لو

اے قافلے والو!

رہروا ان ملکِ عدم سے

(۱)

اے سینہ آفاق کے ٹوٹے ہوئے چھالو!

اے راہ روؤ، راہ روؤ، باگِ سنبھالو!

ہاں مڑ کے ذرا ایک نظر مجھ پہ بھی ڈالو!

میری بھی رہائی کی کوئی شکل نکالو!

اپنی ہی طرح موت کے دامن میں چھپا لو

اے قافلے والو!

۱۵ سردارِ روپ سنگھ مرحوم کے انتقال پر یہ نظم عدیہ عم کی اہتائی شدت میں کہی گئی تھی،
ہجکیوں اور آسوؤں کے ساتھ۔

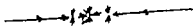
نقشِ دوام

روپِ سنگہ، اے رندِ خوش اوقات و یارِ دل نشین
 میں تھے احسان، مگر کبھی بھلا سکتا نہیں
 تُو نے کیا کیا ناز اٹھائے ہیں مرے جذبات کے
 اے ستونِ روشنی، میری اندھیری رات کے
 شاعری جب تک رہیگی موجبِ کیفیت و سُرور
 شعر کا جب تک رہیگا نسلِ آدم کو شعور
 جب تک پیانہ و ساقی رہیگا دہر میں
 روپ! تیرا نام بھی باقی رہیگا دہر میں
 غیر ممکن ہے کہ ہو تجھ تک رسائی موت کی
 موڑ کر رکھ دی ہے میں نے یوں کلائی موت کی

(۸)

کہتی ہی تابشیں نگینوں کی
 کروٹیں کہتے مہہ چہینوں کی
 کہتی انگڑائیاں حسینوں کی
 کہتی آپنیں جوان سینوں کی
 کہتے ماتھوں کی سُرخئی افشاں

ریل کی پٹریوں میں ہے غلطاں



(۷)

کتنی آنکھوں کا بے صدا غوغا
 کتنے چہروں کی دردناک صدا
 کتنا رس اجنبی نگاہوں کا
 کس بلا کا تناقل پیدا
 کس غضب کا تلطف پہاں

ریل کی پٹریوں میں ہے غلطاں

کتنی شمعوں کے مُردہ پروانے
 کتنے بھولے ہوئے غم افسانے
 کتنے افسردہ ماہی گانے
 کتنے خالی دلوں کے ویرانے
 کتنی آنکھوں کے اشک بانیے رواں

ریل کی پٹریوں میں ہیں غلطاں

پڑیاں کتنی شادمانی کی
 کتنی راتیں فسانہ خوانی کی
 کتنی نیندیں نئی جوانی کی
 کتنی دُھوئیں برستے پانی کی
 کس قدر برق، کس قدر باراں

ریل کی پٹریوں میں ہے غلطیاں

(۴)

کتنی موجوں کے تویہ تو گرداب
 کتنے خطوں کے مختلف آداب
 کتنے نکلوں کے گوہرِ نایاب
 کتنی قوموں کے واقعاتِ شباب
 کتنے باغوں کے سنبھل وریحان

ریل کی پٹریوں میں ہیں غلطاں

(۳)

کتنے افکار، زندگانی کے
 کتنے آرمان، شادمانی کے
 و لوے کتنے کامرانی کے
 جوصلے کس قدر جوانی کے
 کتنی مقدار ہمتِ انساں

ریل کی پٹریوں میں ہے غلطیاں

(۲)

کتنی شتر و فساد کی باتیں
 کتنی جنگ و قتال کی گھاتیں
 کتنے تاریک و ناہیہ راتیں
 کتنی سہمی ہوئی ملاقاتیں
 کس قدر دیو، کس قدر شیطان

ریل کی پٹریوں میں ہیں غلطان

ریل کی پٹریاں

(۱)

کتنے اہل جہاں کے وہم و گماں
 کتنی نقشا سنی، زمان و مکاں
 کتنی اہل نشاط کی خوشیاں
 کتنے جلتے ہوئے دلوں کا دُھواں
 کتنے سیلاب، کس قدر طُفان

ریل کی پٹریوں میں ہیں غلطاں

خلوقی اسرار کو آریابہ عقل کی دعوت

اے خلوقی جملہ اسرار و معانی
 تسبیح سے تحقیق کے دربار میں آجا
 اے پر وہ نشینِ حرمِ عصمت و ایماں
 اک روز تو زندانِ گنہ گار میں آجا
 ممکن ہو تو وجدان کی محفل سے نکل کر
 اے شاہدِ حیاں، حلقہٴ افکار میں آجا
 اک عمر سے حیران و پریشاں ہیں خریدار
 اے جس گراں عقل کے بازار میں آجا
 قرنوں سے ہیں آریابِ فطر، گوشِ برآواز
 اے رازِ نہاں، معرضِ گفتار میں آجا

اے امیرِ جہلِ پناہ

بچنے یہ علم بھی ہے اے امیرِ جہلِ پناہ؟
 کہ میں ہوں لیلیٰ اسرارِ دہر کا محرم
 تری زمیں بھی غلط، آسمان بھی باطل
 وہ ایک ذرہ، تو یہ ایک قطرہ شبنم
 ترے جہانِ متناہیں فکرِ سود و زیاں
 میرے دیارِ خیالات میں نہ کینت نہ کم
 میرے ضمیر میں انوارِ یوسفِ کفیاں
 میرے کلام میں انفاسِ عیسیٰ مریم
 ”گدلے میگدہ ام، ایک وقتِ مستی ہیں

کہ نازِ برفِ فلک و حکمِ برستارہ گنم“ (حافظ)

دِیدنی ہے آج

پہلو میں تابِ حُسنِ جواں ، دیدنی ہے آج
 نورِ چراغِ خلوتیاں ، دیدنی ہے آج
 کشتیِ رواں ہے نغمہٴ ساقی کی لے کے ساتھ
 موجِ خرامِ آبِ رواں ، دیدنی ہے آج
 دسازِ ابرو باد ہے رندانہ بانگین
 طرفِ کلاہِ میرِ مغاں ، دیدنی ہے آج
 آرائشوں کی جگر، نہ زیبائشوں کا ہوس
 وارفتگیِ لالہ رُخاں ، دیدنی ہے آج
 حُسنِ جواں ، سترابِ کہن ، سازِ برشمال
 عشرتِ سراسے بادہ کشاں ، دیدنی ہے آج

صرف اک بار مُسکرا دینا
 دل پہ سُو بجلیاں گراتا ہے
 کیا کہوں ، کس قدر مرے دل کو
 نوحِ انساں پہ رحم آتا ہے
 جانتا ہے فریب ہے ہستی
 پھر بھی ناداں فریب کھاتا ہے

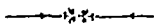


کل تو گایا تھا، گنگنا یا تھا
 اب نہ گاتا، نہ گنگنا تا ہے
 اب کوئی پاساں، پے تسلیم
 ہات اٹھاتا، نہ سر جھکاتا ہے
 بلکہ ہر غنچہ اب مری جانب
 آنکھ بیگانہ وار اٹھاتا ہے
 باغ کب کا بھلا چکا ہے جو وہ
 مجھ کو رہ رہ کے یاد آتا ہے
 یادِ ماضی - ارے معاذ اللہ
 دل، تڑپتا ہے، بیٹھ جاتا ہے
 آہ بیتے دنوں کی یاد کا غم
 زندگی کو لہو ر لاتا ہے

پتے پتے پہ نوجوانی تھی
 ذرے ذرے پہ رنگ چھایا تھا
 خستہ چڑیوں کے چھپانے سے
 شام کا وقت گنگنا یا تھا
 میرے اک بار مسکرانے پر
 باغ سو بار مسکرایا تھا
 دل پر اب تک خراش باقی ہے
 وہ گھڑی کو وہ لطف آیا تھا

اور آیا ہوں میں جو آج یہاں
 باغ ہنستا، نہ مسکراتا ہے

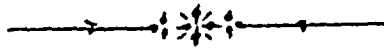
امانی گنج کا باغ



آم کا باغ جو ہے میثِ نظر
 یہ مرے باپ نے لگایا تھا
 یاد ہے ، خوب یاد ہے کہ یہاں
 ایک روز اُن کے ساتھ آیا تھا
 باغ کے پاساں نے بہرِ سلام
 بات اُٹھایا تھا ، سر جھکا پا تھا
 کس قدر جاں نوا ہوا میں تھیں
 کس قدر دل فریب سایا تھا

امانی گنج - بلوچ آباد کا وہ میدان جہاں محنت کا مکان ہے۔

تیرگی ہے خود نویدِ روشنی ، غمگین نہ ہو
 شام ہے خود و وعدہ صبحِ درختاں ، صبر کر
 اک نہ اک دن جوشِ اس در سے برتِ رنگِ بو
 گنگنائی آئے گی روحِ بہاراں ، صبر کر



تیرے ہی حصے کا ہے وہ حُسنِ نگیں و م تو لے
 تیری ہی قسمت میں ہے وہ راحتِ جاں، صبرِ کر
 ہاں صَبَاحِ کوہِ ساراں کی تجلی کی قسم
 چھٹنے ہی والا ہے ایبرِ شامِ جرماں، صبرِ کر
 ان ترے اُجڑے ہوئے شانوں پہ پھر اُترائیگی
 اُس سُرِایا ماز کی نُو لیتِ پریشاں، صبرِ کر
 شکرِیں اُس لب سے ہوگا پھر ترا کام و دہاں
 بر بنائے تلخی صبرِ رواواں — ، صبرِ کر
 ہاں اسی خلوت میں اک دن بے مہا با یک بیک
 حُسنِ در آئے گا رقصان و غزلخواں، صبرِ کر
 ہاں کسی تب و فتنہ اِس بحرۂ تارِ یک میں
 پھر بھلک اُٹھئیگی اُس ماتھے کی آفتاں، صبرِ کر

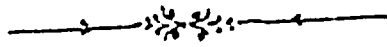
خودکشی

پھر نظر آئیگی وہ آ شوبِ دَوراں، صبرِ کر
 صبرِ کر، اسے آرزوئے دیدِ جاناں، صبرِ کر
 پھول پھر کھل جائیں گے اک روز، یوں مضطرب
 شمع خود ہو جائیگی اک دن فروزاں، صبرِ کر
 ایک دن کٹ جائیگی خود بٹیراں، آہیں نہ بھر
 ایک دن کھل جائیگا خود قفلِ زنداں، صبرِ کر
 پھر وہی ہونگی شمیمِ زلفت کی گلکاریاں
 پھر وہی ہوگی انجمِ سنبلیتاں، صبرِ کر

کا کھلیں رہ رہ کے یوں لہرا رہی ہیں دوش پر
 تُو کہے ، لیلائے شب، آما دُو پر داز ہے
 بستہ ذوقِ سماعَت ہے نظامِ کائنات
 آنکھڑیوں میں یوں درِ حرف و حکایت باز ہے
 زلف کی تڑولیدگی ہے ، راوی طوفانِ شب
 سرخی لب ، مستی ووشینہ کی نماز ہے
 کیوں نہ غلطاں ہوں کلامِ حوتس میں لگینیاں
 جوشِ طفلی سے ہے رندا ، اور رندا ہا باز ہے



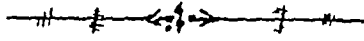
حُسنِ محمود



اَلَا ماں ، پھر وہ نگاہِ مستِ غرقِ ناز ہے
 آنکھڑیوں میں نغمہ ہے ، دُستِ مژہ میں ساز ہے
 ہو رہی ہے صُبح ، پھر بھی رُخِ پہ ہے شبِ کائِرُ
 انتہا میں ابتدا - انجام میں آغاز ہے
 اللہ اللہ قاصتِ بالا کا بے پایاں غرُور
 عرش و کرسی کی بلندی ، فرشِ پا انداز ہے
 اِس طرف چلتا نہیں بس ، لغزشِ ستانہ سے
 اُس طرف چتون میں خوفِ انکشافِ راز ہے

ہر داغِ دل ہے اک چنستاں مرے حضور
 ہر ضربِ غم ہے ایک بشارت مرے لیے
 ہر آن ہے نزولِ کلامک مرے حضور
 ہر سانس ہے نویدِ رسالت مرے لیے
 اپنے ضمیرِ زندہ و خلاق کی قسم
 اک حرفِ پوچ ہے بشریتِ مرے لیے
 تا پندہ حس مقام یہ ہے و جبرِ ذوا الجلال
 محض ہے وہ فرارِ بصیرت مرے لیے
 ہر شب کو، شمعِ راز لیے، رُوحِ کائنات
 لاتی ہے ایک تازہ نuart مرے لیے
 جس کی جاک سے جیبِ مشیت ہے تابناک
 مخصوص ہے وہ گوہرِ حکمت مرے لیے

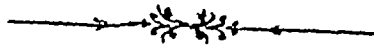
مرے لیے



کیونکر نہ زندگی ہو سعادتِ مرے لیے
 ہر جنبشِ نظر ہے عبادتِ مرے لیے
 اسما، پہ ہے نگاہ، نہ اشکال پر نظر
 یعنی مجاز بھی ہے حقیقتِ مرے لیے
 ظاہر کروں تو کفر کے فتیے لگائے خلق
 اُتری ہے چرخ سے وہ شریعتِ مرے لیے
 کہتے ہیں عُرُوفِ عام میں جس شے کو وقتِ بخش
 وہ بھی ہے اک نشانِ سعادتِ مرے لیے

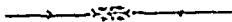
ہم شاعروں کی وضع جڑوں کے اٹھائیں ناز
 اہل وطن میں اتنی شرافت کہاں ہے جوش
 اہل نظر کی قدر کریں حسبِ مدعا
 ابنائے ملک ہیں وہ بصیرت کہاں ہے جوش
 گردن کا طوق، پاؤں کی زنجیر کاٹ دے
 اتنی، غلام قوم میں ہمت کہاں ہے جوش
 اپنی تباہیوں پہ کبھی غور کر سکے
 اتنی، ذلیل ملک کو فرصت کہاں ہے جوش
 اک حرفِ گرم سُنتے ہی کو دے اٹھیں دماغ
 ہندوستان میں وہ حرارت کہاں ہے جوش

پست قوم



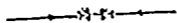
اپنے خلاف بات سنیں ، اور خوش رہیں
 ذہنوں میں وہ پھارت و وسعت کہاں ہے جوش
 چلتی ہے کوہ و بحر کو جو روندتی ہوئی
 اہل مجہود میں وہ محبت کہاں ہے جوش
 اپنی اہانتوں کا کچھ احساس کر سکیں
 اتنا، دلوں میں جاذبِ غیرت کہاں ہے جوش
 تیری شرابِ مُنند کو برداشت کر سکے
 اس ملک میں وہ ظرفِ بڑھوت کہاں ہے جوش

اچھی نہیں اے اے ساتی
 با جا ہی رہے گائے ساتی
 رن جبل کے فسانہ خوانیاں ہوں
 ہر سانس میں سوجوانیاں ہوں



پیاسے ہیں بہت ترے شرابی
 ہاں طاق سے جلد اٹھا گلابی
 سردی کے مزاج میں ہے نرمی
 نرمی میں ہے دلبرانہ گرمی
 تسکین کے بیج بو رہی ہے
 موسم کو ہوا سمو رہی ہے
 جس لطف سے مل رہے ہیں موسم
 نل جائیں خدا کرے یونہیں ہم
 آ، لطف کے وہ نکال پہلو
 مسلم باقی رہے، نہ ہندو
 بس جائے ہر ایک دل کی بستی
 مذہب ہو فقط وطن پرستی

بستی اتحاد



ساقی ساغر اٹھا، خدا را
 تڑسوں پھولی، بستت آیا
 سردی۔ گرمی سے بن رہی ہے
 سینوں میں کلی سی کھل رہی ہے
 بھر کر قہجِ شراب رکھ دے
 آ، نرم میں آفتاب رکھ دے
 خونِ موسم میں ہے روانی
 برساوے شرابِ ارعوانی

میں سراپا سازِ عشرت ، اور رہینِ فرد و عم
 تو مجسمِ نازکی ، اور بارِ حرماں ، ہائے ہائے
 وہ مری نظروں میں کچھ کہنے کی حسرت اولے شوق !
 وہ تری آنکھوں میں کچھ سننے کا ارماں ، ہائے ہائے
 اٹھ اٹھ آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ کہنا ترا
 ”جوشِ میرا دل ہوا جاتا ہے ویراں ، ہائے ہائے“
 اے فغاں برب تر تُم ، اے خزاں برکت بہار
 جوشِ تیرے دل کی ویرانی کے قریاں ، ہائے ہائے



یاں، ہراک تارِ نظر۔ زنجیرِ پائے عاقبت
 داں، ہراک مَوَجِ نَفْس۔ دیوارِ زنداں، ہائے ہائے
 یاں، لبوں پر جنبشِ آہِ تنگِ جاں، وانصیب
 داں، مرقہ میں لرزشِ اسٹکِ گزیراں، ہائے ہائے
 حسرتِ دیدارِ یاں ہر آن بیتاب و مستدید
 فرصتِ نظارہ داں بہیم پرامتاں، ہائے ہائے
 یاں، لرزتا سا فردِ عرم و ہمت، الحذر
 داں، بھپکتی سی نگاہِ فتنہ ساماں، ہائے ہائے
 یاں، کفِ پاچوم لیے کی بھی سی آرو
 داں، لعلِ گیری کا ستر یا سا رماں، ہائے ہائے
 تماتے و لولوں کی آگ، اور تیری حسین،
 سسنانی آئین، اور میرا گلستاں، ہائے ہائے

وہ مرے اطوار میں اندازِ میل بے پناہ
 وہ تری آواز میں آثارِ طوقاں ، ہائے ہائے
 وہ جُدائی کی ہوا کے تند جھونکے وائے عم
 وہ جوانی کا چراغِ زبردِ اماں ، ہائے ہائے
 اِس طرف اُلجھی ہوئی موجِ حیاتِ یکِ نفس
 اُس طرف بکھرے ہوئے گیسوئے تاباں ، ہائے ہائے
 اِس طرف تاریکیِ شامِ مریضانِ کہن
 اُس طرف آلامِ صبحِ سوگواراں ، ہائے ہائے
 طاقِ عبرت ، اور میری شمعِ ہستیِ حیفِ حیف
 ہالہِ غم ، اور تیرا ماہِ تاباں ، ہائے ہائے
 یاں چکنے ہی پہ برقِ نالہِ دردِ آفریں
 واں برسے ہی پر ابرِ چشمِ حیراں ، ہائے ہائے

شامِ رخصت

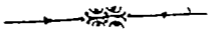


تجھ سے رخصت کی وہ شام اتکا اُفتاں ، ماے ہائے
 وہ اُداسی ، وہ فضاے گریہ سا ماں ، ہائے ہائے
 وہ میرے سینے میں سیلِ آب و آتش ، الاماں
 وہ ترے حیرے یہ موجِ ترق و باراں ، ہائے ہائے
 وہ مرا عشقِ گلِ اُفتاں ، رشتہ بریا ، حیفِ حیف
 وہ ترا حسینِ جواں ، سرورِ گریباں ، ہائے ہائے
 وہ میرے حیرے پہ دُودِ عم کے باؤل ، الاماں
 وہ تری پلکوں پہ اشکوں سے چراغاں ، ہائے ہائے

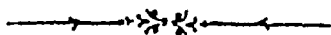
بھیجا ہی پیاری

اُس کی طرف بھیجا ہے پیامی
 رشکِ شاہی ، جس کی غلامی
 نادم جس کے رخشِ آوا سے
 شعلہ حیرامی ، توند لگامی
 قرباں جس کی موجِ سخن پر
 شہدِ مقالی ، نزمِ کلامی
 جس کے ہر اکِ نقشِ قدم پر
 محوِ جسدہ فتنہ حیرامی
 کاش وہاں سے جوشِ بے عجلت
 شاد و غزلخواں آئے پیامی

آنفاس میں کسنی کی خوشبو
 بنگال کا، اکھڑیوں میں جادو
 چہرے پہ شباب کا تلاءِ مسم
 بُت خانے کی صبح کا تسم !
 عارض میں دمک، دمک میں مُدرت
 برسات کے چاند کی لطافت
 رَس کی بوندیں کہ نرم باتیں
 آواز میں مالوے کی راتیں



رُوپِ مستی



رُخسار میں شمعِ کعبہ کی صُوءِ
 آنکھوں میں چراغِ دیر کی نو
 خوش پیکر و خوش جمال و خوش رُو
 چھٹکی ہوئی چاندنی لبِ جو
 پلکوں کی جھپٹک میں مُسکراہٹ
 شعلے کی خفیف تھر تھراہٹ
 برسات کی راگنی کی راتیں
 غلطیدہ حُسین دست و پاپیں

گورے گورے ستانے تھے
 ہلکی پھلکی بانہیں تھیں
 ہر گام پہ خلوت خانے تھے
 ہر موڑ یہ عسرت گاہیں تھیں
 مٹھیاں خوشی کے آنسو تھے
 تکمیلِ طرب کی آہیں تھیں
 عشوے، چمیلیں، غمزے تھے
 پیتیں، خوشیاں، چاہیں تھیں

ن پیتے دنوں کی بات ہے یہاں دل کی بستی، بستی تھی

(۲)

غفلت ، نیندیں ، مستی ، بھتی
 آنکھیں کیا ، پیانے تھے
 ہر روز جوانی بکتی تھی
 ہر شام و سحر بیجانے تھے
 ہر خار میں اک بُت خانہ تھا
 ہر پھول میں سو مینخانے تھے
 کالی کالی زلفیں تھیں
 گورے گورے شانے تھے

اُن بیتے دنوں کی بات ہے یہاں جب دل کی بستی، بستی بھتی

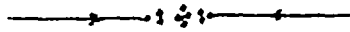
بیتے ہوئے دن

(۱)

کیا حال کہیں اُس موسم کا
 جب چٹنی حوانی سستی تھی
 جس پھول کو چومو، کھلتا تھا
 جس شے کو دیکھو ہنستی تھی
 چدینا، پتھا چینا تھا
 ہستی، عین ہستی تھی
 افسانہ، جاؤو، افسوں تھا
 عقلت، نیندیں، مستی تھی

اُن بیتے دنوں کی بات ہے یہ، جب دل کی بستی، بستی تھی

آواز آرہی ہے کہ ” اے ناظرِ بہار ..
 آہستہ سانس لے کہ یہ اک بزمِ ناز ہے
 اے مُطربِ سحاب ، اُٹھا سازاؤں کے ساتھ
 برسات کی یہ خلوتِ راز و نیاز ہے
 ہاں چھوڑا اس خروش کو بیٹھے سُر میں گا
 نازک بہت نگارِ لطافت کا ساز ہے
 آہستگی کے ساتھ گزر کو ہمارے
 ہر سنگ ، ایک کارگہرِ شیشہ ساز ہے
 ٹھہرے اس انجمن میں وہی رنید بادہ خوا
 جو مثلِ جوشِ پاک دل و پاک باز ہے



اچھاس لٹا فٹ

رقصاں ہے ابر سلسلہ کو ہمار میں
 موج ہو ا میں نغمہ سوز و گداز ہے
 صحن چین میں جلوہ گلہائے رگت گگ
 دوتیں صبا یہ نغمہ رُعلین دراز ہے
 ہر ایک برگِ گل میں ہے وا ایک بابِ نگ
 ہر خار و خس میں ایک درِ حسن باز ہے
 ہر ایک موجِ ابر میں ہے اک خرامِ کین
 ہر ایک شاخِ تازہ میں اک رقصِ ناز ہے

(۶۸)

اے جان نشینِ حیدرِ کزار، المدد
 اے منجھلوں کے قافلہ سالار، المدد
 اے امرِ حق کی گرمی بازار، المدد
 اے جلسِ زندگی کے خریدار، المدد

دُنیا بڑی نظیرِ شہادت لیے ہوئے
 اب تک کھڑی ہے شمعِ ہدایت لیے ہوئے



(۶۷)

دیکھو، وہ ختم، ظلم کی حد ہے، بڑھے چلو
 اپنا ہی خود یہ وقتِ مدد ہے، بڑھے چلو
 بڑھنے میں عزتِ ابِ جد ہے، بڑھے چلو
 وہ سامنے جیاتِ ابد ہے، بڑھے چلو

اُلٹے رہو کچھ اور یو نہیں آستین کو
 اُلٹی ہے آستیں تو پلٹ دو زمین کو

(۶۶)

اے حاملانِ آتش سوزاں، بڑھے چلو
 اے پیروانِ شاہِ شہیداں، بڑھے چلو
 اے فاتحانِ صرصرو طوفاں، بڑھے چلو
 اے صاحبانِ ہمتِ یزداں، بڑھے چلو

تلوار، شمرِ عصر کے سینے میں بھونک دو
 ہاں چھونک دو، یزید کو دوزخ میں چھونک دو

(۶۵)

مٹا خیر کا یہ وقت نہیں ہے ولاورو
 آواز دے رہا ہے زمانہ، بڑھو، بڑھو
 ایسے میں باڑھ پر ہے جوانی، بڑھے چلو
 گر جو مثالِ رعد، گرج کر بڑسن پڑو

ہاں، زخم خوردہ شیر کی ڈھکار، دوستو
 جھنکار، ذوالفقار کی جھنکار، دوستو

(۶۴)

جاری رہے کچھ آوریو نہیں کاوش تینز
 ہر وار، بے پناہ ہو۔ ہر ضرب، لہزہ خیز
 وہ قوجِ ظلم و جور ہوئی ماہلِ گریز
 اے خون، اور گرم ہو۔ اے نبض، اور تیز

عقربتِ ظلم کانپے ہے، اماں نہ پائے
 ویوِ فساد ہانپ رہا ہے، اماں نہ پائے

(۶۳)

آئینِ کشمکش سے ہے دنیا کی زین و زین
 ہر کام ایک ”پنڈز“ ہو، ہر سانس اک ”خُنین“
 بڑھتے رہو یو نہیں پے، تسخیرِ مشرقین
 سینوں میں بجلیاں ہوں، زبانوں پہ ”حسین“!

تم حیدری ہو، سینہ اژدر کو پھاڑو
 اس خیرِ جدید کا در بھی اکھاڑو

(۶۲)

اے دوستو! فرات کے پانی کا واسطہ
 آلِ نبی کی تشنہ و ہانی کا واسطہ
 شبلیہ کے لہو کی رَوانی کا واسطہ
 اکبر کی نامتسام جو انی کا واسطہ

بڑھتی ہوئی جو ان اُمنگوں سے کام لو
 ہاں تھام لو، حسین کے دامن کو تھام لو

بل کھائے ہیں وہ ہر میں پھر سیم وزر کے ناگ
 گو نچے ہوئے ہیں گنبد گرواں میں عم کے راگ
 پھر موت ، خرش زسیت کی تھامے ہوئے ہر باگ
 ما آ سماں بلند ہو اسے زندگی کی آگ

فتنے کو اپنی آخ کے جھوٹے میں جھونک سے
 ہاں پھونک سے قبائے امارت کو پھونک سے

(۶۰)

پھر گرم ہے فساد کا بازار، دوستو
 سرمایہ پھر ہے برسرِ آزار، دوستو
 تاکے یہ خوفِ اندکِ بسیار، دوستو
 تلوار، ہاں اپنی ہونی تلوار، دوستو

جو تیز تر ہو خونِ آمارت کو چاٹ کر
 رکھ دے جو سیم و زر کے پہاڑوں کو کاٹ کر

(۵۹)

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا انتشار
 اس بیسیویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
 پھر تائبِ نرید ہیں دُنیا کے شہریار
 پھر کربلائے نوسے ہے نوعِ بشر و چار

اے زندگی! جلالِ شہِ مشرقین وے
 اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسین وے

(۵۸)

ہاں خاتمِ حیاتِ ابد کا نگین ہے تو
 گرد و نگیر و دار کا ہر بڑبڑ ہے تو
 اک زندہ حدِ فاصل و نیاؤں ہے تو
 کوئین کا تنہیلِ عہد آفریں ہے تو

پھر دشتِ جنگ کو ہے ترا انتظار، اٹھ
 اٹھ، روزگارِ تازہ کے پروردگار، اٹھ

(۵۷)

پھر حق ہے، آفتاب لبِ بامِ اے حسینؑ
 پھر بزمِ آبِ و گل میں ہے کھرامِ اے حسینؑ
 پھر زندگی ہے سست و سبکِ گامِ اے حسینؑ
 پھر حریت ہے مُورِدِ الزامِ اے حسینؑ

ذوقِ فساد و ولولہ شریعے ہوے
 پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجرِ لیعے ہوے

اے جنجھر برہنہ، و اے تیغ بے نیام
 اے حق نواز امیر، ثبوت بدوش امام
 اے تیرگی کی بزم میں خورشید کے پیام
 اے آسمانِ دریں عمل کے مہ تمام

رہتی ردائے شام کی ظلمت ہی دین پر
 ہوتا نہ تو، تو صبح نہ ہوتی زمین پر

(۵۵)

جس بحرِ ظلم و جور کے گرد اب میں تھاؤ
 نازل پہاڑ پر ہو تو بن جائے آبِ جو
 سینے میں آبر کے نہ رہے روحِ رنگ و بو
 آہن کے جو ہروں سے ٹکپنے لگے لہو

سرخ نمکِ برنگِ آتشِ دوزخ وہک پڑے
 ماتھے سے آگ کے بھی پسینہ ٹپک پڑے

(۵۴)

ہاں اے حسینؑ، ابنِ علیؑ، رہبرِ انام
 اے منبرِ خودی کے حیات آفریں پیام
 اے نقطۂ زندگی کے مُقَدَّس ترین نام
 اے چرخِ انقلاب کے ابرجواں خرام

غازہ ہے تیرا خون، رُخِ کائنات کا
 ہر قطرہ ”کوہِ نور“ ہے تلجِ حیات کا

(۵۳)

اے رہبرِ نجمتہ و اے ہادیِ غیور
 تو حافظے کا ناز ہے، تاریخ کا غرور
 اب بھی ترے نشانِ قدم سے ہے وہ سُرور
 لوحِ جبینِ وقت پہ غلطاں ہے موجِ نور

تُو ہے وہ مہر، دفترِ عزم و ثبات پر
 آج تک دکا ہے جو نِشِبتِ حیات پر

(۵۲)

اس باغِ دہر میں پے تفسیرِ رنگ و بو
یوں تو ہے ہر روزِ شہ پہ اک انبارِ گفتگو
لیکن برائے گوشتِ حکیمانِ راز جو
عالم میں صرف اک سخنِ گفتنی ہے تو

مردانگی کے طور کا تہنا کلیم ہے
تو سینہٴ حیات کا قلبِ سلیم ہے

(۵۱)

یوں تو دُروین سینہ تارِ میخ روزگار
 دولت ہے بے حساب، جو اہرہیں بشمار
 لیکن ترا وجود ہے اے مَرِوحِ شکار
 عزمِ بشر کی واحد بے مثل یادگار

تکنتا ہے تجھ کو وقتِ جہاں سوز و دُور سے
 تو ہے بلند، ضربِ سنین و شہور سے

(۵۰)

مجھ سے شہید کون ہے عالم میں اے حسینؑ
 تو ہے ہر ایک دیدہ پر خم میں اے حسینؑ
 زبا وہی نہیں ہیں ترے غم میں اے حسینؑ
 ہم رند بھی ہیں حلقہ، ماتم میں اے حسینؑ

آزاد جو خیال میں ہیں ، اور کلام میں
 وہ بھی اسیر ہیں تری زلفوں کے دام میں

(۴۹)

تُو، اور تیرے حلق پہ تلوار، ہائے ہائے
 زنجیر اور عابدِ بیسار، ہائے ہائے
 زینب کا سر کھلے سر بازار، ہائے ہائے
 سرتیرا، اور یزید کا دربار، ہائے ہائے

انسان، اس طرح اُتر آئے عیناد پر
 لعنت خُدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر

(۴۸)

ہاں اے حُسینؑ بیکس ونا چار، السلام
 اے کُشتگانِ عشق کے سردار، السلام
 اے سوگوارِ یاور و انصار، السلام
 اے کاروانِ مُردہ کے سالار، السلام

افسوس لے وطن سے نکالے ہوئے حُسینؑ
 اے قاطعہ کی گود کے پالے ہوئے حُسینؑ

ہاں اے حسینِ قششہ وُرِجُوْز، السَّلَام
 اے میہمانِ عرصہ بے نُور، السَّلَام
 اے شمعِ حلقہٗ شبِ عاشور، السَّلَام
 اے سینہٗ حیات کے ناسور، السَّلَام

اے ساحلِ فرات کے پیاسے ترے نثار
 اے "آخری نبی" کے نوا سے ترے نثار

ہاں وہ حسینؑ، خستہ و مجروح و ناتواں
 ساکت کھڑا ہوا تھا جو لاشوں کے درمیاں
 سنتا رہا سکون سے جو پیرِ نیم جاں
 اکبر سے ماہِ رُو کی جوانی کی، چکیاں

ہے ہے کی آرہی تھی صد اکائینات سے
 پھر بھی قدم ہٹائے نہ راہِ ثبات سے

(۴۵)

زار و نزار و تشنہ و مجروح و ناتواں
 تنہا کھڑا ہوا تھا جو لاکھوں کے درمیاں
 گھیرے تھے جس کو تیر و تیر، ناوک و ریناں
 اور سوراہا تھا موت کے لیستریہ کارواں

اتنا نہ تھا کہ حقیقتِ رفاقت سے کام لے
 گرنے لگیں اگر تو کوئی بڑھ کے تھام لے

(۴۴)

تھی جسکے دوستِ پاک پر اہلِ وِلا کی لاش
 انصاری سرفروش کی لاش، اقربا کی لاش
 عباس سے مجاہدِ تیغ آزما کی لاش
 قاسم سے شاہزادہ گلگوس قبا کی لاش

پھر بھی یہ دُھن تھی صبر کی زلفوں سے بن نہ جائے
 اس خوف سے کہ حق کا جنازہ نکل نہ جائے

(۴۳)

ہر چند ایک شاخ، چمن میں ہری نہ تھی
 ماتھا عرق عرق تھا، لبوں پر تری نہ تھی
 باطل کی ان بلاؤں پہ بھی چاکری نہ تھی
 یہ داوری تھی اصل میں پیغمبری نہ تھی

رنگ اڑ گیا حکومتِ بدعت شعار کا
 عزم حسینؑ، عزم تھا پروردگار کا

جس کا ہجوم درودِ اَلْم سے یہ حال تھا
 سیدنہ تھا پاش پاش ، جگر پائال تھا
 سُخ پر تھا تشنگی کا دُھواں بول نہ ڈھال تھا
 اس کرب میں بھی جس کو فقط یہ خیال تھا

آتش برس رہی ہے تو بر سے خیام پر
 آنے نہ پائے آج مگر حق کے نام پر

(۴۱)

یہ صبح انقلاب کی جو آج کل ہے صنو
 یہ جو مچل رہی ہے صبا، پھٹ رہی ہے پو
 یہ جو چراغِ ظلم کی تھرا رہی ہے تو
 درپردہ یہ حسین کے انفاس کی ہے رو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز، دوستو
 یہ بھی اسی جبری کی ہے آواز، دوستو

ہر چند اہلِ بخور نے چاہا یہ پارہا
 ہو جائے محو، یادِ شہیدانِ کربلا
 باقی رہے نہ نامِ زمیں پر حسینؑ کا
 لیکن کسی کا زور عزیز و نہ چل سکا

عباسؑ نامور کے اہوسے ڈھلا ہوا
 اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

(۳۹)

جس کی جبیں پہ کج ہے خود اپنے لہو کا تاج
 جو مرگ و زندگی کا ہے اک طرفہ امتزاج
 سر دے دیا ، مگر نہ دیا ظلم کو خراج
 جس کے لہونے رکھ لی تمام انبیاء کی لاج

سنتا نہ کوئی دہر میں صدق و صفا کی بات
 جس مرد سرفروش نے رکھ لی خدا کی بات

پانی سے تین روز ہو جس کے لب نہ تر
 تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر
 جو مر گیا ضمیر کی عزت کے نام پر
 ذلت کے آستان پہ جھکایا مگر نہ سر

لی جس نے سانس، رشتہ شاہی کو توڑ کر
 جس نے کلانی موت کی رکھ دی مڑوڑ کر

طاقت سی شے کو خاک میں جس نے ملا دیا
 تختہ اُلٹ کے، قصرِ حکومت کو ڈھا دیا
 جس نے بوا پیہ پُر عبِ امارت اُڑا دیا
 ٹھوکر سے جس نے افسرِ شاہی گرا دیا

اس طرح جس سے ظلم، سیہ فام ہو گیا
 لفظِ یزید، داخلِ دُشنام ہو گیا

(۳۶)

عالم میں ہو چکا ہے مُسلسل یہ تجربہ
 قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کُشا
 سُرُضعت کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا
 نا طاقتی کی موت ہے، طاقت کا سامنا

طاقت سی شے مگر نخل و بد نصیب تھی
 نا طاقتی حسین کی کتنی عجیب تھی!!

(۳۵)

عِزَّتِ پے جس نے سر کو فدا کر کے دَم لیا
 صَدَق و مُنَافِقَت کو جُدا کر کے دَم لیا
 حَق کو اَبَد کا تاج عطا کر کے دَم لیا
 جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دَم لیا

فِتَنوں کو جس پہ ناز تھا وہ ول بھجا دیا
 جس نے چراغِ دَوْلَتِ باطل بھجا دیا

جس کا وجود، عدل و مساوات کی مراد
 جو کردگارِ آمن تھا، پیغمبرِ جہاد
 تحویلِ زندگی میں پئے رفیع ہر فساد
 قدرت کی اک امانتِ زریں ہو جسکی یاد

سوزاں ہے قلبِ خاک جو خونِ بُسین سے
 اک کو نکل رہی ہے ابھی تک زمین سے

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابد آشنا ثبات
 کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے ہی یہ بات
 یعنی فرودین پر وہ صدرنگ کا ثبات
 اک کار ساز ذہن ہے، اک فنی شعور ذات

سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
 تنہا جو اک اشارہ ہے مسجود کی طرف

(۳۲۱)

ہاں ، آب بھی جو منارہ عظیم ہے ، وہ حسین
 جس کی نگاہ ، مرگِ حکومت ہے ، وہ حسین
 اب بھی جو مجوز بنائے ، وہ حسین
 آدم کی جو دلیل شرافت ہے ، وہ حسین

واحد جو ایک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
 شاہد ہے جو "خدا" کے مذاقِ سلیم کا

۱۔ حکومتِ باطل سے بغاوت کرنا بہت بڑی عبادت ہے

(۳۱)

جو کاروانِ عزمِ کار بہر تھا، وہ حسینؑ
 خود اپنے خون کا جو شناور تھا، وہ حسینؑ
 اک دینِ تازہ کا جو پیر تھا، وہ حسینؑ
 جو کربلا کا داورِ محشر تھا، وہ حسینؑ

جس کی نظر پہ شیوہِ حق کا مدار تھا
 جو رُوحِ انقلاب کا پروردگار تھا

جو اک نشانِ تشنہ وہانی تھا، وہ حسینؑ
 گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا، وہ حسینؑ
 جو خلد کا ایسے جو انی تھا، وہ حسینؑ
 جو اک سنِ جدید کا بانی تھا، وہ حسینؑ

جس کا لہو ملا طم پنہاں لیے ہوے
 ہر بوند میں تھا نوح کا طوقاں لیے ہوے

(۲۹)

جو صاحبِ مزاجِ نبوت تھا، وہ حسینؑ
 جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا، وہ حسینؑ
 جو خلوتی شاہِ قدرت تھا، وہ حسینؑ
 جس کا وجود، فخرِ مشیت تھا، وہ حسینؑ

سانچے میں ڈھالنے کے لیے کائنات کو
 جو تولتا تھا نوکِ مرزہ پر حیات کو

تاریخِ دے رہی ہے یہ آوازِ دُومِ بدیم
 دشتِ ثبات و عزم ہے، دشتِ بلا وِ غم
 صبرِ سبج و جراتِ سُقراط کی قسم
 اس راہ میں ہے صرف اک انسانِ قائم

جس کی رگوں میں آتشِ بدروجنین ہے
 جس سورا کا اسمِ گرامی حسین ہے

ہاں ہاں وہ رات، دہشت و بیم ورجا کی رات
 افسونِ جاں کنی و طلسمِ قضا کی رات
 لبِ تشنگانِ ذریتِ مصطفیٰ کی رات
 جو حشر سے حلیم تھی وہ کربلا کی رات

بیتیر نے حیات کا عنوان بنا دیا
 اُس رات کو بھی نہر درنشاں بنا دیا

”کیا آپ کا خیال ہے یہ شاہِ ذی حشم؟
 ہم ہیں اسیرِ سود و زیاں، صیدِ کفایت و کم
 خود و بیکہ لہجے گا کہ گاڑیں گے جب قدم
 ہٹنا تو کیا، ہلیں گے نہ دشتِ و غاسے ہم

پتلے ہیں ہمِ حدید کے، پتھر ہیں سنگ کے
 انساں نہیں، پاڑ ہیں میدانِ جنگ کے“

(۲۵)

اور سنتے ہی یہ بات، بصد کرب و صخر اب
 بتائیں کہ کیا تھا یہ انصار نے جو اب
 دیکھیں جو ہم یہ خواب بھی، لے ابن بو تراب
 وَاللّٰهُ فَرَطٍ شَرْمٍ سَے ہو جائیں آب آب

قرباں نہ ہو جو آپ سے والا صفات پر
 لعنت اُس امن و عیش یہ اُنفس حیات پر

وہ رات، جب امام کی گونجی تھی یہ صدا
 اے دوستانِ صادق و یارانِ باصفا
 باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مَرِخِلا
 اب سامنا ہے موت کا، اور صرف موت کا

آتے ہی پر بلائیں ہیں اب تحتِ وقوق سے
 جانا جو چاہتا ہے، چلا جائے شوق سے

(۲۳)

وہ رات، وہ فرات، وہ موجوں کا خلفشار
 عابد کی کروٹوں پہ وہ بیچارگی کا بار
 وہ زلزلوں کی زد پہ خواتین کا وقار
 اصغر کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار

اصغر میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
 وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

(۲۲)

لبریز زہرِ جور سے وہ دشت کا آیان
 دکھتے ہوئے وہ دل، وہ تپکتے ہوئے فماغ
 آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں فُہ لوں کے وانغ
 پُرتولِ ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ

بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسورِ سول کے
 ستاروں کی روشنی میں وہ آئینہ بتول کے

وہ اہل حق کی تشنہ دہاں، مختصر سپاہ
 باطل کا وہ، نجوم کہ اللہ کی پناہ
 وہ ظلمتوں کے دام میں زہرا کے بہرہ ماہ
 تاسے وہ فرطِ عم سے جھکائے ہوئے نگاہ

وہ دل بچھے ہوئے وہ ہوائیں بھٹی ہوئی
 وہ اک بہن کی، بھائی پہ نظریں جٹی ہوئی

(۲۰)

وہ کر بلا کی رات ، وہ ظلمت ڈراؤنی
 وہ مرگِ بے پناہ کے سائے میں زندگی
 خیموں کے گرد و پیش وہ پُر ہوں خاموشی
 خاموشیوں میں دُور سے وہ چاہ موت کی

تھی بے پشتِ وقت ، بارِ الم سے جھکی ہوئی
 ارض و سما کی سانس تھی گویا رُکی ہوئی

اور بالخصوص بند ہو جب ہر درِ نجات
 حق تشنہ لب ہو دشت میں، باطل لبِ فرات
 دستِ اجل میں ہو زن و فرزند تک کی ذات
 حائل ہو مرگ و زلیست میں، لے کے، ایک رات

یہ وہ گھڑی ہے کانپ اٹھے شیرِ نر کا دل
 اس تھلکے کو چاہیے فوق البشر کا دل

(۱۸)

اور بالخصوص جب ہو حکومت کا سامنا
 رعب و شگورہ و جاہ و جلالت کا سامنا
 شاہانِ کج کُلاہ کی ہیئت کا سامنا
 قرنا و طبل و ناوک و راہت کا سامنا

لاکھوں میں ہے وہ ایک کروڑوں میں فرو ہے
 اُس وقت جو ثبات دکھائے وہ مرد ہے

(۱۷)

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندگیِ نامراد
 کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد
 پھیلا رہا ہے عالمِ اخلاق میں فساد
 اے صاحبانِ جذبہ ویرینہ جہاد

ہاں چلید اٹھو، تباہیِ باطل کے واسطے
 جنت ہے ایسے شخص کے قاتل کے واسطے

ہوتا ہے جو سماج میں جو یائے انقلاب
 ملتا ہے اُس کو مُرتد و زندقہ کا خطاب
 پہلے تو اُس کو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شاب
 اُس پر بھی وہ نہ چُپ ہو تو پھر قوم کا عتاب

بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لیے ہوے
 دشمنی و طعن و دشمنی و خنجر لیے ہوے

جس دائرے میں قصرِ قدامت کا ہو طوائف
 جدت کے جرم کو کوئی کرتا نہ ہو معاف
 بگڑے ہوے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف
 آواز کون اٹھائے وہاں جہل کے خرافات

آواز اٹھائے ، موت کی جو آرزو کرے
 ورنہ مجال ہے کہ یہاں گنگو کرے

(۱۴)

اس بزم ساجری میں، جہالت کا ذکر کیا
 خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں۔ بجا
 اوہام، جب دلوں میں بجاتے ہیں دائرا
 عقلوں کو سُجھتا ہی نہیں رقص کے سوا

تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں
 بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں

آؤہام کا رباب ، قدامت کا ارغٹوں
 فرسودگی کا سحر ، روایات کا فسوں
 اقوال کا براق ، حکایات کا جنوں
 رسم و رواج و صحبت و میراث و نسل و نحل

افسوس یہ وہ حلقہء و اہم خیال ہے
 جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

(۱۲)

کیسے کوئی عزیز، روایات چھوڑ دے
 کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
 گھنٹی میں تھے جو عمل، وہ خیالات چھوڑ دے
 ماں کا مزاج، باپ کے عادات چھوڑ دے

کس جی سے کوئی رشتہ، اوبام توڑ دے
 ورثے میں جو طے ہیں وہ آسناں توڑ دے

تکلیفِ رُشد و کاہشِ تبلیغ، الاماں
 یہ دائرہ ہے، دائرہِ مرگِ ناگہاں
 پیہم یہاں سروں پہ کڑکتی ہیں بجلیاں
 بارِ الم سے بولنے لگتے ہیں استخوان

ہر گام پر، حیات کے چہرے کو قہر کرے
 مرنا جو چاہتا ہو، وہ اعلانِ حق کرے

ہاں، اس بلا سے کوئی بلا بھی بڑی نہیں
 کیا اس کو علم، جس پہ یہ بتا پڑی نہیں
 کشتوں کی اسکے لاش بھی اکثر کڑی نہیں
 اعلانِ امرِ حق سے کوئی شے کڑی نہیں

بے جرم، خود کو جرم میں جو راندھ لے، وہ آئے
 اس راہ میں، جو سر سے کفن باندھ لے، وہ آئے

(۹)

یوں تو عظیم معاش کا سوزِ نہاں ہے اور
 تکلیفِ جاں گدازئی عشقِ بیتاں ہے اور
 لبِ تشنگی، شیب و عذابِ خزاں ہے اور
 اعلانِ امرِ حق کی مگرداستاں ہے اور

”گفتارِ صدق ، مایہِ آزار می شود

چوں حرفِ حق بلند شود ، وار می شود“

(سائ)

بوعِ بشرِ پہ ہے جو عقوبت ، نہ پوچھیے
 سفاکِ زندگی کی شقاوت ، نہ پوچھیے
 جوِ حیات و جبرِ مشیت ، نہ پوچھیے
 کتنا رقیق ہے دلِ قدرت ، نہ پوچھیے

سو سال اگر خزاں کے ، تو دو دن بہار کے
 قرباں ہجومِ رحمتِ پروردگار کے!!

(۷)

اُس نوحں چکاں حیات کے آلام، کیا کہوں
 قدرت نہیں فسانہٴ ایام کیا کہوں
 دارائے کائنات کے انعام کیا کہوں
 یہ داستانِ مہمتِ عام کیا کہوں

کہہ دوں، تو دلوں سے خون کا چشمہٴ ابل پڑے
 اور چپ رہوں، تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

امراض سے کسی کا بڑھا پاپا ہے اک وبال
 آلام سے کسی کی جوانی ہے پائال
 اس کو ہے خوفِ تنگ، اُسے تام کا خیال
 روزی سے کوئی تنگ، کوئی عشق سے ٹھال

ہر سالس ہے نوید، عذابِ عظیم کی
 گھبرا کے دو دہائی "خدا کے رحیم" کی

(۵)

اس لیلیٰ حیات کی اندری وارو گیر
 ہر لوج، اک کمان ہو۔ بہر ناز، ایک تیر
 اس کے کرم میں بھی وہ حرارت ہے ہم صغیر
 جس کے مقابلے میں جہنم ہے، زہریر

اُبھلے جو اس کے گیسوئے سپاں کے جال میں
 لگ جائے آگ، دامن قطبِ شمال میں

(۴)

بیگانہ محدود ہے انسان کی آرزو
 یہ چھیدہ ہر نظر میں ہے اک تازہ حُسیجُو
 تھمتی نہیں کہیں بھی متنائے برق خو
 ساقی کا وہ گرم ہے کہ بھرتا نہیں سُبُو

آرماں کی شاہ راہیں، منزل نہیں کوئی
 اس بجر بے کنار کا ساحل نہیں کوئی

یارانِ سرفروش و بنگارانِ مہِ جبیں
 آبِ نشاط و لعلِ لب و زلفِ عنبریں
 کوئے مُغان و بوئے گل و رُوئے دل نشیں
 زور وزن و ذکاوت و ذہن و زر و زمیں

جوشے بھی ہے وہ درد کا پہلو لیے ہوئے
 ہر گویا ہر نشاط ہے آنسو لیے ہوئے

دُنیا کی ہر خوشی ہے غم و درد سے دوچار
 ہر قیمت کی گونج میں ہے ہستم اشکبار
 کیا خار و خس کہ وہ تو ہیں معتبَر روزگار
 نسرین و نسترن ہیں بھی یہاں ہے نوکِ خار

فغمے ہیں جُنُبِشِ دِلِ مُضطربِ لے ہوے
 گلِ بَرگِ تہک ہو بَرشِ خنجرِ لے ہوے

حُسَینِ اَوْر اِنْقِلَاب

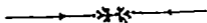
(۱)

ہمراز، یہ فسانہ آہ و فغاں، نہ پوچھ
 دُورِ دُن کی زندگی کا عزمِ این و آں، نہ پوچھ
 کیا کیا حیاتِ اَرْض کی ہیں تلخیاں، نہ پوچھ
 کس درجہ ہو لُناک ہو یہ داستاں، نہ پوچھ

تفصیل سے کہوں، تو فلک کا پنہ لگے
 دوزخ بھی فرطِ شرم سے مُنہ ڈھاپنے لگے

بانڈھتی ہو کیا ہوا، اے اہرن کی آنڈھیو!
 کھیلنا آساں نہیں ہے شمع یزدانی کے ساتھ
 ہمتِ معصوم کو فاسق سے کیا خوف و خطر
 یہ سفینہ مضحکہ کرتا ہے طُغیانی کے ساتھ
 صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
 خوں فشانی بھی ہے لازم اشکِ فشانے کے ساتھ
 آنکھ میں آنسو ہوں، سینوں میں شرارِ زندگی
 موجہ آتش بھی ہو بہتے ہوے پانی کے ساتھ
 اہل بیتِ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی!
 ہاں بلا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ
 جو سش ہم ادنیٰ غلامانِ علیٰ مرتضیٰ
 تکنت سے پیش آتے ہیں جہانِ بانی کے ساتھ

سلام



کیا نمازِ شاہِ مہدی ، ارکانِ ایمانی کے ساتھ
 دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ
 شہرِ تبرکِ زندہ ہے تیرا نام اے ابنِ رسول !
 کر چکا ہے تو وہ احساں ، نفعِ انسانی کے ساتھ
 اُن کے آگے صولتِ دُنیا کا ذکر ، او ابنِ سجد
 کھیلتی ہے جن کی ٹھوکر تاجِ سلطانی کے ساتھ
 غیرتِ حق کو کہیں دیکھو نہ آجائے جلال
 ظالمو! ہولی نہ کھیلو خونِ انسانی کے ساتھ

جوش اُس سُبُوئے قلب پہ کون و مکان شمار
 غلطاں ہو جس میں ساقی کو شر کی آرزو



کرنا ہے اپنے خُون میں ہم کو تبادری
 تسنیم کی تڑپ ہے ، نہ کوثر کی آرزو
 اُس آرزو سے میرے لہو میں ہے جزو بد
 وَشْتِ بِلَا میں تھی جہ بہتر کی آرزو
 رنگیں مزا جیوں کا نہیں ہے محل ہنوز
 دِل کو ہے خُونِ مَرْجَبِ وَغَنَثر کی آرزو
 بادِ مُرَادِ وَآبِ طَرْبِ کا نہیں ہے وقت
 طُوقَاں کا اِسْتِیاق ہے ، صُفْر کی آرزو
 رقصِ پَرِی وَتَانِ وَحَرَامِ صَبَا، حَرَامِ
 دِل کو ہے ضَرْبِ فَاتِحِ خِیْبَر کی آرزو
 ہاں عمر جاوِ دال کی ہمیں بھی نوید دے
 اے مَوْت ، اے جِوَانِی، اکبر کی آرزو

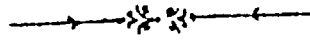
سَلام



مَحْرَاب کی ہُوَس ہے نہ مَنبِر کی آرزو
 ہم کو ہے طبل و پَرچِ سَم و شکر کی آرزو
 بامِ جَدال و گردِ رِہِ عَزْم کا ہے شوق
 آوَرنگ کی ہُوَس ہے، نہ افسر کی آرزو
 کانتوں پہ حق پَرست بَدلتے ہیں کروٹیں
 بالِس کا اشتیاق، نہ بستر کی آرزو
 تعویذ کیا کرونگا کہ اِن بازوؤں کو ہے
 اثر و شکارِ مَوْتِ حَیْءِ رِہِ آرزو

تاچند دوسروں کے نکھارا کر گیارنگ ہ
 اپنا بھی رنگ، سرِ خدا، آبِ نکھار دے
 اس طرہ کلاہ کی تزئین تاکجا ہ
 باطن کے تاج کو بھی درِ شاہوار دے
 جس کو کٹا رہا ہے زمانے پہ بے دریغ
 اپنے کو بھی وہ دولتِ عرفان یار دے
 برسینگے پھولِ جنتِ سلطان پہ تاج کے ہ
 دشتِ گدائے راہ کو بھی برگِ دبار دے
 تاچند ممنوعوں کے لئے مژدہ حین ہ
 بے زر کو بھی پیامِ نسیم بہار دے
 کیوں جوشِ ابلجھ رہا ہے عتِ شیخِ تہرے
 یہ نشتہ وہ نہیں جسے ترشی اتار دے

اے شیخ شہر!



اے شیخ شہر، خرقة، سالوس اُتارے
 دل کو بھی مثلِ کاکلِ شبِ گوں سنوارے
 رہتا ہے اوجِ نطق پہ جس ماہِ وِش کا نام
 اُس ماہِ وِش کو خلوتِ دل میں بھی بارے
 برول پہ کُندہ کرتا ہے جو نقشِ دل نشیں
 خود اپنی کُوجِ جاں پہ بھی وہ نقشِ اُبھارے
 جس دَرسِ خاص کی ہیں مُریدوں پہ بارشیں
 اپنے کو بھی وہ دَرسِ ملائک شکار دے

(۱۲)

ستایا نہیں خوئے نفرت نے آبت تک
 بٹھایا نہیں ذوقِ عزت نے آبت تک
 پکارا نہیں محبتِ دولت نے آبت تک
 چھوا تک نہیں ہو کثافت نے آبت تک

سراسر لطافت کا مارا ہوا ہوں

(۱۱)

نہ گردوں ہوا موجبِ سرگرائی
 نہ گیتی بنی باعثِ نوحہ خوانی
 یہ زیبا نہیں مجھ کو اے یارِ جانی
 کروں شکوہِ خسروِ قہرمانی

کہ سرکارِ رحمت کا مارا ہوا ہوں

(۱۰)

نہیں، میں نہیں چرخِ گردِ اوں کا شاکی
 نہ خنجر، نہ شمشیرِ بُراں کا شاکی
 نہ سیلاب و صرصر نہ طوفاں کا شاکی
 نہ خس کا نہ خارِ معیلاں کا شاکی

گلوں کی نزاکت کا مارا ہوا ہوں

(۹)

مجھے وحشتِ غربت نے چھپرا نہیں ہے
 سقز کی صعوبت نے چھپرا نہیں ہے
 بگولوں کی آفت نے چھپرا نہیں ہے
 بیاباں کی وحشت نے چھپرا نہیں ہے

گلستاں کی نکمٹ کا مارا ہوا ہوں

(۸)

نہ میں زحمتِ سحّت کو سستی سے نالال
 نہ فُتدانِ صدگرِ سستی سے نالال
 نہ قسمت کی ارزاں فروشی سے نالال
 نہ گم نامیوں کی خموشی سے نالال

کہ گل بانگِ شہرت کا مارا ہوا ہوں

(۷)

زمانے کی شدت سے کیا کام مجھ کو
 شکایاتِ قسمت سے کیا کام مجھ کو
 حوادث کی لعنت سے کیا کام مجھ کو
 ہوائے نخوت سے کیا کام مجھ کو

نسیم سعادت کا مارا ہوا ہوں

(۶)

کسی کی کدورت سے واقف نہیں ہوں

کسی کی شرارت سے واقف نہیں ہوں

کسی کی شقاوت سے واقف نہیں ہوں

کسی کی عداوت سے واقف نہیں ہوں

کسی کی محبت کا مارا ہوا ہوں

(۵)

کسی دن بھی نکلا نہیں گلستاں سے
 سدا دوستی ہی رہی باغیاں سے
 عقیدت رہی برق کو آستیاں سے
 شکایت کو الفاظ لاؤں کہاں سے

کہ لطف و عنایت کا مارا ہوا ہوں

(۴)

چلا ہے کبھی مجھ پہ بھی علم کا جادو ہے
 ہوا ہوں کسی ایک دن سرنیہ انو ہے
 کبھی فریش ماتم پہ بدلے ہیں پہلو ہے
 بہاؤں تو کیوں شامِ حراماں پر آسو ہے

کہ صبحِ مسرت کا مارا ہوا ہوں

کسی کی رکاکت سے مُضطر نہیں ہوں
 کسی کی سفاہت سے مُضطر نہیں ہوں
 کسی کی دناوت سے مُضطر نہیں ہوں
 کسی کی رذالت سے مُضطر نہیں ہوں

خود اپنی شرافت کا مارا ہوا ہوں

(۲)

کلاموں کے ابہام مجھ سے نہ پوچھو
 رقیباً نہ پیغام مجھ سے نہ پوچھو
 غمِ حرفِ الزام مجھ سے نہ پوچھو
 خمِ تیغِ دشنام مجھ سے نہ پوچھو

کہ حرف و حکایت کا مارا ہوا ہوں

شہیدِ لطف

(۱)

عَلَّامٌ هُوَ كَلْفَتِ كَامَارَا هُوَا هُوں
 نَهْ كَلْفَتِ نَهْ عُسْرَتِ كَامَارَا هُوَا هُوں
 نَهْ عَفْرِتِ قَوَسَتِ كَامَارَا هُوَا هُوں
 نَهْ دِيُوَسِيَا سَتِ كَامَارَا هُوَا هُوں

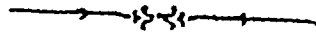
خود اپنی ہی فطرت کا مارا ہوا ہوں

برلے ہے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی روانی
 ہر تے ہے ظلمتوں میں لپٹا ہوا شرارا
 دیوانہ وار ہر سو مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں
 واضح نہیں ابھی تک وحدان کا اشارا
 چکرا کے گر رہا ہوں میدانِ جستجو میں
 اے فکرِ دستگیری! اے شاعریِ اسہارا!
 کشتی شکستہ کا یم، اے بادِ شرط، بر خیز
 باشد کہ مازِ بیمِ آن یارِ آستنارا!

(حافظ)



تھکی ہوئی آواز



عرفاں کا ذوق لے لے لے زندگی خدارا
 دریائے معرفت کا ملتا نہیں کنارہ
 مجھ کو اگر خبر ہو تو اے زمیں بتا دے
 کس آسماں کا میں ہوں ٹوٹا ہوا ستارا
 اے بتر آفرینش، اے رازِ زندگانی
 آہو کی طرح پیہم بھرتا ہے کیوں ترارا
 اب تو ہے کچھ دنوں سے اے منہشیں عالم
 ذرات نے صدا دی، خورشید نے پکارا

« خلوتِ خاص » کے شعلے تو بہت دیکھے ہیں
 آج برساً اُفح « جلوہ گہر » عام سے آگ
 دُور ہے ، وادیِ امین ہو کہ طُورِ سینا
 اب یہ موقع ہے کہ برسادے ہر اک نام سے آگ
 حوش کیا صبح کو ہو دیکھئے سطلیم عالم
 آج روشن ہے مجھے دل میں سرِ شام سے آگ



کام کے اب نہ رہے قہر و غضب کے انگر
 اب زمانے میں لگا بخشش و انعام سے آگ
 اب تو گفتار میں خود آ کہ ہے بچھنے کے قریب
 تو نے بھڑکانی تھی جو نامہ و پیغام سے آگ
 وقت آیا ہے کہ بے پردہ ہوا ہے برقِ جمال
 اب دکھتی نہیں سینوں میں تے نام سے آگ
 برق رفتار جوانوں کو دکھا راہِ شرار
 کہ بھڑکتی نہیں پیرانِ سبک گام سے آگ
 خندہ ”خواجہ خوش وقت“ سے نکلیگا نہ کام
 اب لگا اشکِ غم ”بندہ ناکام“ سے آگ
 حکم دے ”شر“ خوش آغاز کو صوباری کا
 کہ نکلتی نہیں اب ”خیر“ بد انجام سے آگ

بارگاہِ قدرت میں ایک شتر کی زندگامشورہ

اٹھ، کہ اٹھتی نہیں اٹ سینہ ایام سے آگ
 دلِ آفاق یہ برس اُفتِ جام سے آگ
 دامنِ ترکو بنا حایلِ برق و آفت
 کہ نکلتی نہیں آبِ جامہٴ اُخرام سے آگ
 نہ رہا کو تر و تسنیم کے پھیلوں میں اثر
 آبِ دل و بجاں میں لگا مادہٴ گلِ جام سے آگ
 آج اُسے کفر کے بھونکوں سے فروزاں کر دے
 کل لگانی تھی کلیجوں میں جو اسلام سے آگ

خال و خط پر دُھواں بناوٹ کا
 کرب - بالقصد مُسکراہٹ کا
 پیچھے سرود، زمزمے مجروح
 قہقہے تک تھکے ہوئے بے رُوح
 صرف لے دے کے زرق بَرق لباس
 ولولے اشکبار - رُوح اُداس
 زرد چہرے - نقابِ زریں میں
 سرود لاشیں - لباسِ رنگیں میں
 نہ تلاءُلم، نہ تازگی، نہ ترنگ
 یہ ہے اپنی سوسائٹی کا رنگ !

ہمارے سوسائٹی

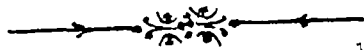


جو صلے سرنگوں، اُمیدیں شل
 آرزو، بارِ یاس سے بوجھل
 نشہ - بچھتا ہوا سا ایک شرار
 کیف - گرتی ہوئی سی اک دیوار
 ہر لطیفے کی تہ میں رنج و محن
 ہر ظرافت میں ایک یہ بھیکائیں
 شرم سے آب، آب، جو لانی
 ہر ہنسی - شرمسار، کھسیانی

(۹)

رُوح کا آسرا بھتی جو اُمید
 جو سش ہمتِ فزا بھتی جو اُمید
 مُطربِ عم رُبا بھتی جو اُمید
 میری مُشکل کُشا بھتی جو اُمید

اَب بھی ویسی قوی ہے یا مَوہوم؟
 حَیْف یہ بھی نہیں ہے اَب معلوم



(۸)

اُوٹ وُہ کالی گھٹائیں، خستم آگیاں
 وُہ رسیہ آسماں، وہ تیرہ زمیں
 وُہ سمندر، وُہ پیکرِ سیہیں
 کچھ اُسے یاد بھی ہے اب کہ نہیں؟

وُہ جنوں کا وُفور، غم کا ہجوم
 حیف یہ بھی نہیں ہے اب معلوم

(۷)

دیکھ کر آسماں پر آبر بہار
 سونگھ کر تازہ پھول گوندھ کے ہار
 سوچ کر عمر رفتہ کی رفتار
 پڑھ کے سوزِ فراغ کے اشعار

اب بھی ہوتی ہے وہ کبھی مغموم ؟
 حیف یہ بھی نہیں ہے آپ معلوم

(۶)

دُورِ صِحَّتِ عِشَقِ ہے، اور وہ پیکرِ نیاز؟
 تپنس کے بکھرا رہی ہے زلفِ نیاز؟
 یا بہ ایسے پُرخِ تفرقہ باز
 دُشمنوں کا مزاج ہے ناساز؟

عیش سے بہرہ ور ہے، یا محروم؟
 حیف یہ بھی نہیں ہے آج معلوم

(۵)

نالہ صُور و خوابِ نوشیں میں
 پہنچے دیو و دستِ سیمیں میں
 دِید ہ کور و حُسن رنگیں میں
 گلُ میں اور بدو ماغ گلُ چیں میں

آب بھی ہے رِبطِ حاکم و محکوم ؟
 حیف یہ بھی نہیں ہے آبِ معلوم

لے ایک امرِ خاص کی طرف اشارہ ہے۔

(۴)

وہی آگلی سی بے توانی ہے ؟
 وہی عذرِ شکستہ پائی ہے ؟
 یا جو انی نے تیغ اٹھائی ہے ؟
 دل میں اب عزمِ خود کشائی ہے ؟

یا ابھی تک ہے قیدی و مظلوم ؟
 حیف یہ بھی نہیں ہے اب معلوم

(۳)

ہے وہی سادگی ، وہی باتیں ؟
 وہی خلوت ، وہی مُناجاتیں ؟
 یا سکھاوی ہیں چرخ نے گھاتیں ؟
 عربوں میں گزرتی ہیں راتیں ؟

حُسن ہے ، یا اسی طرح معصوم ؟
 حَیْف یہ بھی نہیں ہے اب معلوم

(۲)

جس چمن پر فدا تھی آجر بہار
جس چمن کی ہوائیں تھیں گل بار
جس چمن میں حیات تھی بیدار
جس چمن میں شباب تھا سزنا

لحن بلبل ہے واں کہ نالہ بوم
حیف یہ بھی نہیں ہے اب معلوم

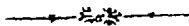
عجبرتناک لا علمی

(۱)

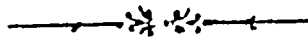
قلبِ جانناں ہے شاد یا مغموم ؟
 درد کی رو ہے ، یا نشاط کی دھوم ؟
 لطف مفقود ہے کہ غم معدوم ؟
 کار فرما نسیم ہے ، کہ شوم ؟

آج گلِ زندگی سخی ہے کہ شوم ؟
 حیثیت یہ بھی نہیں ہے اب معلوم

نکل مری چشم تما سخی جہاں مجھ خال
 پھر وہاں یر تو محنوب سے برنائی ہے
 دل مراجن میں دھڑکتا تھا پھر ان گلیوں میں
 نوجوانی ہے، تمسّم ہے، دل آرائی ہے
 اور میں دور، بہت دور وطن سے ہوں جہاں
 کوئی ہندم نہ کوئی مؤس تھائی ہے
 حیف اُس وعدے یہ اس طرح ہوا ہے جو وفا
 حیف اُس اُمید یہ اس طرح خزانہ ہے
 ”اگ رہا ہے در و دیوار یہ سبزہ غالب
 میں بیاباں میں ہوں، اور گھر میں بہارائی ہے“



پندرہویں دن کی خبر



”آج کل پھر ہے وہ گل فام یہاں جلوہ فروش“
 جوش، غربت میں، وطن سے یہ خبرانی ہے
 خط میں کاتب نے یہ تحریر کیا ہے کہ ”یہاں
 پھر صبا میں وہی اعجازِ میحانی ہے
 پھر فضاؤں میں وہی کیفیت کے آفسانے ہیں
 پھر ہواؤں میں وہی نشے کی انگڑائی ہے“
 میرے عشرت کدہ کہنہ کے بام و در پر
 پھر اسی گیسوئے رنگیں کی گھٹا چھائی ہے

(۱۶)

چلا چلن فراغت کی تانیں اڑاتا
 گرجتا ہوا ، گونجتا ، دند ناما
 مسرت کی زنجیرِ در کھڑکھڑاتا
 زمانے میں آیا تھا دھو میں مچاتا

زمانے سے دھو میں مچاتا گزر جا



(۱۵)

سِرِّ دِیرِ اِکْ طُرْفَهٗ نَعُوغَا هِیْ ، لَیْکِن
 حَرَمٌ مِیْنِ بَهِیْ اِکْ شَوْرِبْرَا هِیْ ، لَیْکِن
 کَلِیْسَا بَهِیْ خَنْجَرٌ وَّ کَھَا تَا هِیْ ، لَیْکِن
 فَرِیْبِ مَیْ وَ نَعْمَهٗ رُسُوَا هِیْ ، لَیْکِن

فَرِیْبِ مَیْ وَ نَعْمَهٗ کَھَا تَا کُرْجَا

(۱۴۲)

جہاں کی روش ہے بہت ظالمانہ
 ریا، ہر فسوں ہے۔ دغا، ہر فسانہ
 نہ کر پھر بھی یہ شکوہ عا میمانہ
 کہ آنکھیں دکھاتا ہے مجکو زمانہ

زمانے کو آنکھیں دکھاتا گزرجا

(۱۳)

حَقَائِقُ بَہُت تیز و رَاحَتِ شِکُنْ ہِیں
 حَقَائِقُ بَہُت مُنَد و عِشْرَتِ شِکُنْ ہِیں
 حَقَائِقُ بَہُت تَرش و طَاقَتِ شِکُنْ ہِیں
 حَقَائِقُ بَہُت تَلخ و ہِمتِ شِکُنْ ہِیں

حَقَائِقُ سَے دَامَنُ . پِچاما گُزِ رِجا

(۱۲)

بڑی پُرفسوں ہے، حوادث کی دُنیا
 سراسر جُنوں ہے، حوادث کی دُنیا
 طلبگارِ خوں ہے، حوادث کی دُنیا
 یہ دُنیا ئے دُوں ہے، حوادث کی دُنیا

حوادث کو نیچا دکھاتا گزر جا

(۱۱)

اگر ہر نفس ہے ، ستانے پہ ماں
 اگر زندگی ہے ، رُلاتے پہ ماں
 اگر آسماں ہے ، بیٹانے پہ ماں
 اگر وہر ہے رنگ اڑانے پہ ماں

خود اس وہر کا رنگ اڑاتا گزر جا

(۱۰)

مُسَطَّح نہیں گو کہیں صحنِ مہستی
 بڑھا چل، بڑھا چل، بہ ایسے مہستی
 کوئی نشو نہیں، راہ کی چہرہ مہستی
 ہر اک گام ہے گو بلندی و پستی

مگر نشے میں لڑکھڑاتا گزرجا

(۹)

مسافر کو کب ہے مفر گھاٹیوں سے
 جھپکتا ہے کیوں؟ اگر گھاٹیوں سے
 نہ ڈروادیوں سے، نہ ڈر گھاٹیوں سے
 زمانے کی پُرشور و شر گھاٹیوں سے

اگر مرد ہے، گنگناتا گزر جا

(۸)

یہ مانا کہ یہ زندگی ، پیرِ آلم ہے ،
 یہ مانا کہ یہ زندگی ، موجِ ستم ہے ،
 یہ مانا کہ یہ زندگی ، اکِ ستم ہے ،
 یہ مانا کہ یہ زندگی ، غمِ ہی غم ہے ،

سرِ غم پہ ٹھوکر لگاتا گزر جا

(6)

وَغَاكے گرجتے ہوئے بادلوں پر
 وَغَاكے گرجتے ہوئے بادلوں پر
 جفاكے گرجتے ہوئے بادلوں پر
 بھلاكے گرجتے ہوئے بادلوں پر

مَسْرَتِ كَا پَرِ چَسْمِ اُڑا تَا گُزِ رِجَا

(۶)

زمان و مکاں کی رستم زانیوں پر
 مصائب کی ہنگامہ سامانیوں پر
 حیاتِ دوروزہ کی نادانیوں پر
 خطا اور خطا کی پیشانیوں پر

نظر ڈالتا، مسکراتا، گزر جا

(۵)

فراغت ہی میں نورِ شمس و قمر ہے
 خوشا وہ ، فراغت سے جو بہرہ ور ہے
 فراغت کا ہر لمحہ ، لعل و گہتر ہے
 فراغت کی ہر سانس ، غمِ خضر ہے

فراغت سے پیتا ، پلاما گزر جا

(۴)

ضراحی میں بھرا، باوہ سرخوشی کو
 چڑھا بے خطر، باوہ سرخوشی کو
 بتا ہم سفر، باوہ سرخوشی کو
 جدھر سے گزرا، باوہ سرخوشی کو

گراتا، بہاتا، کُنڈھاتا، گزرجا

(۳)

مِٹا ڈال ، احساسِ آزارِ عم کو
 جو ڈانا ہے تو پھینک دے بارِ عم کو
 جلا دے فرامینِ سرکارِ عم کو
 جری ہے تو ہر ایک دیوارِ عم کو

پلا تا ، بٹھا تا ، گرا تا ، گزرجا

(۲)

ہر اکٹل میں طُوفان ہے خوف و خطر کا
 ہر اک رُوح ، مُسکُن ہے بِرَق و شہر کا
 وُصُوواں ہر نَفْس میں ہے سوزِ جگر کا
 بَہیمانک ہے ہر ذرّہ اس رَہ گزر کا

حسینوں سے آنکھیں لڑاتا گزر جا

گُزرجا

(۱)

مسرت کی ممانیں اڑاتا گُزرجا
 ظرب کے ترائے سُنا تا گُزرجا
 بشاشت کے دُریا بہتا گُزرجا
 زمانے سے گاتا . جاتا گُزرجا

گُزرجا ، زمیں کو پچاتا گُزرجا

(۷)

مَعْلُوم ہے کیا بَنَ جاوُگے
 صَرَّضْ ہو۔ صَبَا بَنَ جاوُگے
 بندے ہو۔ خُدا بَنَ جاوُگے
 قُدْرَتِ کو آنکھیں دکھلاؤ

لے آدیمو، لے انسانو، لے فتنہ و شرکے دیوتاؤ

(۶)

ہر قہر وفا ہو جائے گا

ہر درد و وا ہو جائے گا

جب حد سے سوا ہو جائے گا

ہاں حد سے آگے بڑھ جاؤ

لے آدمیو، اے انسانو، اے فتنہ و شرکے دیوتاؤ

(۵)

طاعون ہو تم ، سرطان ہو تم
 ہاں سب سے بڑے حیوان ہو تم
 انسان ہو تم ، انسان ہو تم
 ہاں نجرن زمیں پر برسائو

لے آدیو ، لے انسانو ، لے فتنہ و شر کے دیوتاؤ

(۴)

نمروود سے بازی لے جا کر
 فرعون کو در پر جھکوا کر
 ہامان سے سجدے کروا کر
 شیطان سے پانی بھرواؤ

لے آدیو، لے افسانو، لے فتنہ و شرک و

(۳)

ہاں چوب لگا کر ماشوں پر
 صد پارہ دلوں کی قاشوں پر
 آعدا کی ٹھنڈی لاشوں پر
 منڈلاؤ ، برابر منڈلاؤ

لے آدمیو ، لے انسانو ، اے فلتہ و شرکے دیوتاؤ

(۲)

ہر ظلم و ستم کے طوفان میں
 ہر عرصہ بغض و بہتاں میں
 ہر جنگ و جنوں کے میدان میں
 جی کھول کے گھوڑے دوڑاؤ

لے آدیو، لے انسانو، لے فتنہ و شر کے دیوتاؤ

رُوحِ تَحْرِیبِ کی آواز

(۱)

لے آدیو، لے انسانو، لے فتنہ و شرکے دیوتاؤ

خوب آگ ہوس کی بھڑکاؤ

ہر قلب و جگر کو بڑماؤ

کام آؤ تو اپنے کام آؤ

خود سے، نہ ”خدا“ سے شرماؤ

لے آدیو، لے انسانو، لے فتنہ و شرکے دیوتاؤ

زندگی کے تجربے گزر جائیں گے جب دیوانہ وار
 نرم و نازک ولولوں کا ٹوٹ جائیگا ستار
 بے سکت ہو جائیگی جب عقل سے دل کی ترنگ
 و فتنہ اڑ جائیگا ان کے شبستاؤں کا رنگ
 یک بہ یک ہو گا تصادم باہمی اغراض میں
 بے شکن جذبوں میں پڑ جائیگی لاکھوں سمٹئیں
 چاک ہو جائیگا جب اخلاص کا رنگیں غلامت
 بے کلفت سینوں میں پڑ جائیگی نفرت کے شگاف
 الفرض یہ ابتداءے زندگی کی دوسری
 بحر آب و گل میں ہے جو اک ستونِ روشنی
 یہ ستونِ روشنی، ظلمتِ نشاں بن جائیگا
 یہ محبت کا پہاڑ آتشِ نشاں بن جائیگا

ہمتیں، لیکں لرز جاتا، دں میں یہ سوچ کر
 ان محبت کے پہاڑوں کی بنا ہے ریگ بر
 کیوں نہ ان اونچے پہاڑوں پر ہو دانا اتکا مار
 کسی کے دلوں کی ریگ کا کیا اعتبار
 حساب بخت، اوجِ رُوح پر بچو، کیگا حُدیٰ
 چوک اٹھیگا انفرادی کا مران کا شہر
 دوستی سے آکے نکالے گا جب ذاتی مفاد
 خاک کا ایک ڈھیر بن جائے گا قصرِ امتداد
 جب کہ رُوح جزو، ٹڑھ کر رُوح کُل ہو جائیگی
 ارتقاہِ باہمی کی شمع مٹل ہو جائے گی
 ذہن پر تکیگا جب خود کامیوں کا آفتاب
 دل میں کھلا جائیگا بہرہ محنت کا گلاب

ابر کے مانند اٹھا کرتی ہیں ان کی رُوح سے
 نورس و نوخیز منگیں، نو شکفتہ حوصلے
 بارپا سکتا نہیں اس آجمن میں سو وطن
 بے کلفت ہوتے ہیں سینے، اور اتھے بے شکن
 روز کیا کیا تازہ آب و رنگ پاتی ہیں یہاں
 شب کی بزم آرائیوں سے، صبح کی سرگوشیاں
 مل کے یوں چلتا ہے ان کے ولولوں کا قافلہ
 جیسے ہم آہنگ ہو لشکر کے قدموں کی صدا
 رقص میں رہتے ہیں ان کے شعلہ افشاں لوے
 مشترک جذبات کے ابر خراماں کے تلے
 کسینی کے باغ کی ہلکی گھٹا کی چھاؤں میں
 بھیگتی ہیں ان کی تازہ وارداتوں کی مسیں

نوجوانوں کی محبت



نوجوانوں کی محبت ، کمرسوں کی دوستی
 صبح کے تارے کی صنو ہے ، چودھویں کی چاندنی
 اسنتے ہیں یہ لوگ یوں اک دوسرے کو دیکھ کر
 منہ اندھیرے بازو، جس طرح تھالے کا دُر
 وجد کرتی ہے زمیں ، اور چھو متا ہے آسماں
 صبح کو جب پھیڑتے ہیں تپ رومی کی داستاں
 رہتے ہیں مست و عزل خواں حُسن کی تویر میں
 دل تندے رہتے ہیں سب کے ایک ہی زنجیر میں

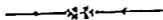
اے سپہرناک کے ٹوٹے ستارے، السلام
 اے حرمِ کینت و مستی کے ستارے، السلام
 السلام، اے رشتہ، بشکستہ گوہر، السلام
 السلام، اے جنتِ بے موجِ کوثر، السلام
 السلام، اے شیشہٴ محرومِ صہبیا، السلام
 السلام، اے محلِ گم کردہ لیلیٰ، السلام



جذب ہیں سینے میں تیرے گرمیاں نعمات کی
 دل میں تیرے سو رہی ہیں کتنی دُھو میں ات کی
 گل تری ہر ٹوندھتی ، اسے خالق شعر و شباب
 ماہ تاب ، اندر عمان و آفتاب ، اندر رطاب
 گم ہے تیرے جوہروں میں کتنے سینوں کی اُسگ
 بچھ میں غلطیدہ ہے کتنی نرگسی اکھوں کا راگ
 بچھ میں مجھ خواب ہے ، اسے حیرتہ باغِ ارم
 کتنے برگِ لالہ سے ترشے ہوئے ہونٹوں کا خم
 بچھ یہ ہوگی رات کو کس ناز سے چھینکی ہوئی
 کتنے افسوں خیز مکھڑوں کی گلابی چاندنی
 اور آج انداز و افسوں و ادایکھ بھی نہیں
 ایک عبرتناک شیشے کے سوا کچھ بھی نہیں

اے طلسمِ نغمہ و افسونِ کینتِ زندگی
 اے جابِ آبِ گینہ، اے سحابِ سرخوشی
 اے حصارِ عافیت، اے گنبدِ رقص و غنا
 اے حریمِ سر بہ ہر، اے مبعذِ صدق و صفا
 مجھ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے تیرا احترام
 میں کہ ہوں اس وقت مینائی شریعت کا امام
 بچھ میں شب کو، جب کہ حُسنِ بوستاں وہ چید تھا
 وختِ رزکی نوجوانی کا تُمُوج بند تھا
 حیث اے قصرِ بلوریں، بچھ پہ، اور گرد و غبار
 جس میں کل تک مُعْتَلِک تھی دُخترِ ابرہہ بار
 شب کہ محفل میں تری شورِ رباب و چنگ تھا
 راستی تھی، راگنی تھی، روشنی تھی، رنگ تھا

خالی بوتل



ٹیس سی اک ہو رہی ہے قلبِ حیات آگاہ میں
 کیا بتاؤں سنشیں، کیا شے پڑی ہو راہ میں
 کیوں نہ چھا جائے دُھواں سا مطلعِ ادراک پر
 بادہ رنگیں کی بوتل، اور ٹھنڈی خاک پر
 آہ اے خاموش دیوی، شب کو تیرے سامنے
 کتنے رنگیں راگ ہونگے، کتنے تیریں قہقہے
 جلوہ گر ہوگی نہ جانے کس ہشتِ اوج میں
 یہ رہی ہوگی ہزاروں زمرموں کی موج میں

بزم سُرور و کیف ، درخشاں نہیں رہی
 اک شمع تھی ، سو وہ بھی فروزاں نہیں رہی
 وہ نوجوانیوں کے تامل نہیں رہے
 وہ شکرے لبوں کے تبسم نہیں رہے
 عشرت کدے کا نام بھی باقی نہیں رہا
 میخانہ ہے اُداس کہ ساقی نہیں رہا
 دریا کے ولولوں میں جوانی نہیں رہی
 ”پمبل“ کی گشتیوں میں روائی نہیں رہی
 کلیاں طرب کی ، پھول بنیں ، اور بکھر گئیں
 وہ دن ہوئے تمام ، وہ راتیں گزر گئیں
 اب کیا بلیگا آم کے باغوں میں جھول کر
 اے وھول پور ، جوش کے آنسو قبول کر

نذرانہ اشک

سیٹی نہ دے، کہ قلب مرا چرچر ہے
 اے ریل، رحم کر، یہ بوسے ڈھول پور ہے
 جس کی ہوا میں بکھرتی زلفِ نگار مٹی
 کل جس پہ ”رُویہِ سگہ“ کے دم سے بہا رہتی
 نخل مار بدلیاں ہیں، نہ زرتار ڈھویا ہے
 اب اس زمیں پہ رنگ ہی باقی، نہ رُویا ہے
 وہ خیرخ ”ڈھول پور“ کا تارا نہیں رہا
 اس اکھن کا اکھن آرا نہیں رہا

اپنی اُس سوگند، اُس اقرار کا رکھنا خیال
 جس کے ہر اک لفظ سے میرا بندھا ہے بال بال
 لیکن اے جانِ صداقت تجھ سے، اور میں بدگماں
 جھوٹ سے آلودہ ہو سکتی نہیں تیری زباں
 توبہ، توبہ، شک کروں میں، اور تیری بات پر
 تفت مری اوقات پر، لعنت ہے میری ذات پر
 ہاں جو شک آیا تھا دل میں ایک لمحے کے لئے
 سجدہ ہائے بہو کرتا ہوں میں اُس کے واسطے
 دل کی کمزوری سے ہو جاتے ہیں پیدا و سوسے
 بخش دے، اپنے غلامِ کمتریں کو بخش دے
 بخش دے اس بدگمانی کو، مرے سُر کی قسم
 درگزر فرما ”اپالو“ کے سمندر کی قسم

آہ، اے بنتِ جیا، اے دُخترِ پاکیزگی
 جہل سے میں نے سمجھ رکھا تھا تجھ کو آدمی
 آدمی ہوتا ہے ظالم، بے مروت، زشت خُو
 بے وفا، لے مہر، خود سر، بے جیا، بے آبرو
 آدمی بدعہد ہے، بدخو ہے، بے آئین ہے
 آدمی کہنا تجھے، تیری کھلی توہین ہے
 ہاں "ایالو" پریشاست کر کے چھوٹی تو نے بات
 یعنی اس دُنیا میں ہے مقصوم اگر کوئی حیات
 وہ تو کیا، اک روگنا بھی اُس کا مر سکتا نہیں
 اُس کو دُڑیا کیا، سمندر فرق کر سکتا نہیں
 ہاں تو اے پاکیزہ دیوی، چشمہ صدق و صفا
 تجھ کو اپنے برہمن کی زندگی کا واسطہ



تو سمجھتی ہے میں غش ہوں تیرے آبِ رنگ پر
 جی نہیں سکتا ہوں میں ایسے مقامِ تنگ پر
 قلب آلودہ نہیں جسامیت کے رنگ سے
 رُوح بالا ہو چکی ہے سطحِ آبِ و رنگ سے
 ہاں میں تجھ سے دُور رہ کر زندہ رہ سکتا نہیں
 قُرب سے کیا بُدعا ہے، یہ بھی کہ سکتا نہیں
 تیرہ دل فتنے اُٹھاتے ہیں، اُٹھانے سے اُنھیں
 آہلی شہِ باتیں بناتے ہیں، بنانے سے اُنھیں
 قلمِ عفت ہے تو، سرِ چشمہِ عصمت ہے تو
 وید کا اشلوک ہے، قرآن کی آیت ہے تو
 تجھ کو "عصمت کیش" کہہ کر اس غرورِ کردگار
 حقیقت میں نے عصمت کا بڑھایا ہے وقار

فلاحِ بھر کی خدمت میں

بارگاہِ دلبری میں کوئی پہونچا دو یہ بات
 اسے کہ تیرے دم سے ہر وابستہ شاعر کی حیات
 تیرے پر تو سے متاثر ہے دیارِ شاعری
 حوش کے حق میں ہے تو پروردگارِ شاعری
 اسے کہ تو پاکیزہ تر ہے جملہ مخلوقات سے
 عشق ہے، اور عشقِ کامل، مجھ کو تیری ذات سے
 عشقِ عورتِ مرد کا؟ یہ بات ہو سکتی نہیں
 عشق۔ شوہر، ماپ، بیٹے، بھائی کا؟ یہ بھی نہیں
 سوچتا ہوں لاکھ، لیکن لب پہ لاسکتا نہیں
 مجھ کو کیسا عشق ہے، خود میں بتا سکتا نہیں

نیا امرت

زبانِ وید کہتی ہے کہ طوفانی سمندر سے
 جلالِ انگیز دیوتاؤں نے مسات امرت نکالے تھے
 وہ امرت، جن کے اندر رہو، وہ انفاں میں میحا کی
 وہ امرت، بھوت سے جنگی، جبیں روشن ہو دنیا کی
 سمندر سے مگر شاعر نے وہ "و امرت" نکالا ہے
 جبین کبریا پر جس کے پرتو سے اُجالا ہے

لے ایک حادثہ، خاص کی طرف اشارہ ہے جو بمبئی میں ۱۳۱۳ء میں ۱۳۱۳ء کی رات کو واقع ہوا تھا۔

جب گھٹائیں رقص کرتیں، اور پیسے کو کتے
 نور میں پلٹے ہوئے دونوں ابھرتے بھرے
 رات جب کچھ بھیگ جاتی، اور جھک جاتا مگر
 سیر کرتے روز ہم بانہیں گلوں میں ڈال کر
 کوئلیں جب گوکے لگتیں اندھیری رات میں
 صبح تک دُھو میں مچاتے ہم بھری برسات میں
 پھیڑتا جب کوئی ساحل پر ہماری داستاں
 پڑنے لگتیں بھر پور دھندلی سی دو پرچھائیاں
 زندہ رہتے حشر تک عم کے یرتاروں میں ہم
 سانس لیتے سازِ حسن و عشق کے تاروں میں ہم
 وقف ہو جاتے مجتہد کے فسانے کے لئے
 سرد ہو کر آگ بن جاتے زمانے کے لئے

(۳)

لیکن اک لمحے کے بعد اے پیکرِ حُسن و حیات
 جوش کو بھی کاوشِ ہستی سے بل جاتی نجات
 پہلے ہوتا اک تلامُظم ، ایک طوفانِ ایک جوش
 بعد ازاں تو اور میں ، اور بحر و باران کا خروش
 اتصالِ رُوح ہوتا موت کے گرداب میں
 آتشِ عم سرود ہو جاتی کنارِ آب میں

(۴)

بحر کے سینے کو جب طوفان میں لاتی ہوا
 پئے بہ پئے آتی ہمارے گنگناتے کی صدا

وہ ”آپالو“ کے کلیجے کی مچلتی ”مان سون“
 وہ سمندر کے تھپیڑے، وہ ہواؤں کا جُنون
 اور اُس طوفان میں آے زندگی کی روشنی
 کو دپڑتا وہ سمندر میں تراکیبارگی

(۲)

تُو اگر واپس نہ آتی بھرِ ہیبت ناک سے
 حشر کے دن تک دُھواں اٹھتا بطنِ خاک سے
 اِس دل سوزاں میں آتے اِس بلا کے زلزلے
 آسماں روتا، زمیں بلہتی، ستارے کانپتے
 موت، اور پھر موت تیری، الحفیظ و الاتماں
 ہڈیوں سے آج اُٹھتی، اور بالوں سے دُھواں

لے ایڈیٹنگ واقع سسٹی۔

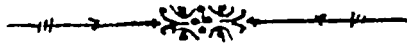
تو اگر واپس نہ آئی

(۱)

تو اگر واپس نہ آئی بجز ہیبتِ ناک سے
 حشر کے دن تک دُھواں اُٹھتا بطنِ خاک سے
 بات آجاتا اگر تیرا نہ میرے ہات میں
 دل پہ کیا کچھ بیت جاتی اُس اندھیری رات میں
 اُن وہ طوفان، وہ بھیانک تیرگی، وہ ابرو باد
 وہ ہوائے تندِ باران، وہ خروشِ برق و رعد
 وقعتہ وہ روشنی کے سلسلے کا ٹوٹنا
 وہ گھٹاؤں کی گرج سے نبضِ ساحل چھوٹنا

دامن کہسار میں چلتی ہے جب بادِ شمال
 حادثے اُس وقت بھی ہوتے ہیں مصروفِ قتال
 جام میں ہوتا ہے جب یر تو یکن ماہِ سنیر
 حادثے کے اُس نہانے وقت بھی چلتے ہیں تیسر
 جب ہوائیں گنگنا اٹھتی ہیں، اور کھلتے ہیں بیول
 اُن مواقع پر بھی ہوتا ہے حوادثِ کائنات
 کچھ متحرم ہی نہیں ہے منزلِ شمر و یزید
 ڈوب سکتی ہے کہو کی سُرخیوں میں صبحِ عید
 دل کو وقتِ خواب بھی سدا رہنا چاہیے
 حادثوں کے واسطے طیار رہنا چاہیے

حادثے



واسے بر تقدیر آدم، واسے بر لیل و نہار
 بزمِ عشرت بھی ہے خونی حادثوں کی رہ گزار
 کچھ تو ناقص حادثے ہیں کچھ مکمل حادثے
 زندگی میں حادثے ہیں، اور مسلسل حادثے
 سنگِ خارا کے مساکین ہوں کہ آہن کے دیار
 حادثوں کے واسطے ہیں آہگینوں کے حصار
 گاہ اُترتے ہیں یہاں عرشِ بریں سے حادثے
 گاہ اُبل پڑتے ہیں خود فریش زمیں سے حادثے

حجرت کی قربانی

اللہ ری قہرمانِ حجرت کی سختیاں
 خود داریوں کی زلف کا ہر بل بیکل گیا
 ہاں وہ غرور، عشق کے ناموس کا غرور
 افسوس، تنگ و عجز کے ساچے میں ڈھل گیا
 جن رفعتوں کے سامنے بھکتی تھی کائنات
 اُن رفعتوں کا شب کو جنازہ بک گیا
 اِس ہولناک رُوح فروشی کے ماوجود
 یہ بھی نہیں ہوا کہ بُرا وقت ٹل گیا
 ”اِس نقشب پا کے سجدے نے کیا کیا، کیا ذلیل
 میں کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا“

اور یہ آلماریاں ، غلطاں ہو جن میں آفتاب
 ان میں ہے رقصندہ میرا ساز و سامانِ شباب
 اشتیاق آمیز تحریریں ، ملاقاتوں کے کارڈ
 عمدہ رنگینی کی فلمیں ، مُطربِ دل کے ریکارڈ
 مُنہ اندھیرے کی اُمنگیں ، چاندنی کے ولولے
 یہ کئے رکھے ہوئے ہیں ، گرو میں پلٹے ہوئے
 آج تک محفوظ ہے اُس دَور کی ہر شے یہاں
 قہقہے ، آنسو ، تبسم ، رازگ ، آہیں ، سسکیاں
 حُسن کے کتب کا تبسم ، عشق کے دل کی ترنگ
 میرے ماتھے کا پسینہ ، اُن کے رخساروں کا رنگ
 نقرنی باہوں کا مس ، رنگین افسانوں کا رس
 بیچ ہو ، سب بیچ ہے — اللہ بس ، باقی ہوس !

جن کے تحتے ہیں تلامطم کا مرا ٹکھے ہوے
 ستور شِ طفلی کے دمتر جن میں ہیں رکھے ہوے
 ہو رہی ہے ان کے آئینوں سے آب تک آشکاً
 ماں کی شفقت، اپ کی حال پروری، دادی کا پیا
 اور یہ رکھے ہوے ہیں اکِ طِلانی طشت میں
 گرد آلودہ تاتے، آشک آلودہ جندیں
 اور انھیں کے ساتھ لٹو، گیند، باج، تھا پیاں
 مکبتوں کی تختیوں پر نذر سوں کی کایاں
 اور انھیں کے یاس اکِ حاسب، صد حالِ تباہ
 کال کا سونے کا ڈر، اور سر کی حر نیلی گلاہ

ماضی کا گودام

حافظے! یہ تو کہاں لایا ہے مجھ کو وقتِ شام!
 یہ تو ہے بیدرو، عبرتناک ماضی کا گودام
 اُف یہ جُجرہ کتنا عم افزا ہے، کتنا تنگ و تنگ
 پرفشاں ہے جس پہ ماہ و سال کا دُھندلا بچھا

ہاں، یہ ہیں میرے لڑکپن کی قدیم الماریاں
 جن کی ٹھنڈی گرد پر قربان سو گلکاریاں

(۴)

نوعِ انساں جیلہ جو ہے، اور ”خدا“ ہو بے نیاز
 از تکابِ قتل ہے پابندی سوز و گداز
 ابنِ آدم، اور اٹھائے راست گفتاری کے باز!!
 نطق پر ہو جا مسلط اے دروغ کار سارا

زندگی بیچین ہے حاجتِ رَوانی کے لئے
 آ، خدا را کذب آ، مُشکل کُشائی کے لئے

(۲۳)

دُشمنِ خُلق و مُرُوّت ہے نظامِ کائنات
 خود کُشتی ہیں خود کُشتی، اَدیان کے نادریجات
 زرد ہے بیماریِ اِخلاص سے رُوئے حیات
 اے ریاکاری، اِدھر بھی اِک نگاہِ التفات

ہے شرافت، زہر، جانِ مُبتلا کے واسطے
 اے رذالت، دستگیری کر خدا کے واسطے

(۲)

خدمتِ یارانِ بکسِ اک قیامت ہوگی
 دوستوں کی دستگیری، وچہر کلفت ہوگی
 سخت خیراں ہوں، یہ کیا دنیا کی حالت ہوگی
 جس پر احساں کرویا، اُس کو عداوت ہوگی

تجھ سے لے ڈل، پھر بھی عداوتِ خیر کی جاتی نہیں
 بے جیا، ذوقِ کرم سے اب بھی شرم آتی نہیں

رذالت کی خدمت میں اپیل

(۱)

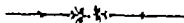
جو ہر انسانیت ہے زندگی کے حق میں ستم
 الأمان و الخذر اخلاق کا جور و ستم
 اے رذالت! تجھ کو اپنی سرفرازی کی قسم
 اس طرف بھی ایک لمحے کے لئے چشمِ کرم

دیکھ، اک دنیا ہونی، جانی ہو دشمن، چھوڑے
 میرا دامن، اے شرافت، میرا دامن چھوڑے

کبھی کلاہِ شہنتہی میں نظر پڑا کاسہ گدانی
 کبھی سیر کاسہ گدانی، شکوہ و طبل و علم کو دیکھا
 کبھی لگانا ارتقا کی تلاشِ بہیم کے سلسلے میں
 سراغِ جہل و مخنوں لگایا، سائے سیف و قلم کو دیکھا
 کبھی عداوت کے محابوں کی ہراک ادایز نگاہ ڈالی
 کبھی محبت کے رہروں کے ہر ایک نقش قدم کو دیکھا
 خلاصہ اس گشتِ گویا ہے، کہ اس پر اگندہ زندگی میں
 خیالِ ہر خیر و شر میں ڈوبا، مالِ ہر پیش و کم کو دیکھا
 مگر مجھے یہ بڑی خوشی ہے، کہ اس تماشائے ثوبہ ثومیں
 مری نگاہِ مخلص میں نے ”ذیانرائیں نغم“ کو دیکھا

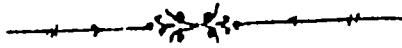
کبھی حوادث کے عقدہ ہائے فساد انگیز پر نظر کی
 کبھی زمانے کی کالوں کے جنوں فراہج و خم کو دیکھا
 کبھی دماغِ گرہ کُشائے، آسائیںِ علم و غلہ کو تو لا
 کبھی نگاہِ کرشمہ میں نے، بطنوںِ دیر و حرم کو دیکھا
 کبھی جنوںِ خیز جھٹپے میں، ترمیمِ آہ پُر فغاں کی
 کبھی طلوعِ سحر کی رُو میں، تبسُّمِ چشمِ غم کو دیکھا
 کبھی طرب میں نگہ اٹھا کر، کبھی تفکر میں سر جھکا کر
 فلک کی رفعت نظر میں توی، زمیں کے جاہ و چشم کو دیکھا
 کبھی تمدن کے فرشِ گل پر پٹھر کے وحشت کی لگاؤٹ
 کبھی مُصیبت کے راستے سے، پلٹ کے ناز و نعم کو دیکھا
 کبھی ہم بیکراں کے اندر، فقط بلا اک حقیر قطرہ
 کبھی ہر اک قطرہ سبک میں، خروشِ صدِ موجِ لیم کو دیکھا

نگاہِ خالص میں

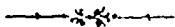


نہ پوچھ ذوقِ سفر کو میرے، کہ اکثر اس بزمِ آب و گل میں
 کبھی سیایانِ غم میں پہنچا، کبھی شبستانِ غم کو دیکھا
 کبھی برہمن کا روپ بھر کر، کبھی حق آگاہ شیخ بن کر
 ضیائے شمع و حرم کو جانچا، فروغِ بیتِ اہم کو دیکھا
 کبھی تلکڑکی روستی میں، فلک کو کھولا، زمیں کو لٹایا
 کبھی صحافت کے آئینے میں، عرب کو پرکھا، غم کو دیکھا
 کبھی لیاؤرس زندگانی، کبھی سنی موت کی کہانی
 کبھی کتابِ وجود کھولی، کبھی انصافِ عدم کو دیکھا

کل جس سے رگ و پے میں خروشاں تھا تلام
 گوئجی ہوئی اب دل میں وہ آواز نہیں ہے
 با ایں ہمہ بجلی سی چمکت جاتی ہے اب بھی
 کیا ہے؟ جو محبت کا یہ اعجاز نہیں ہے



مَجَسَّتِ كَا اِعْجَاز

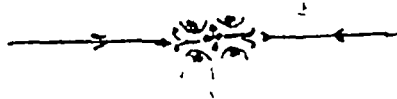


اَبِ وید کی حسرت کا وہ انداز نہیں ہے
 یرواز، بجز حسرتِ یرواز نہیں ہے
 یہ بجز مُسْتَلْسَل ہے کہ یہ تلخی، انجام
 اَبِ رُوح میں وہ آتشِ آغاز نہیں ہے
 اَشْمَتِکِ بِنِیْبَتِ شَاهِنِ خِرْدِ سِے
 اَبِ مُرِغِ جُنُوں زَمْرَمِ پَرَوَازِ نَہِیْسِے
 اَللّٰہِ رِیْ اَفْسُودِگِیِ شَوْرِ حِکَا یِ تِ
 اَبِ آرزوئے خَلُوْتِیِ رَازِ نَہِیْسِے

(۱۸)

آفریں باد کہ اس جبر شریعت پہ بھی ہے
 آفریں باد کہ اس رعب نبوت پہ بھی ہے
 آفریں باد کہ اس خوف عقوبت پہ بھی ہے
 آفریں باد کہ اس دعوتِ جنت پہ بھی ہے

دستِ انساں میں بغاوت کی عنان، کیا کہنا



(۱۷)

لِلّٰهِ الْحَمْدُ كَمَا سَعَىٰ فُقَهَاءُ كَيْبَا وَصَف
 لِلّٰهِ الْحَمْدُ كَمَا جَهَدَ صُلَاحِقَا كَيْبَا وَصَف
 لِلّٰهِ الْحَمْدُ كَمَا خُونِ شُهَدَا كَيْبَا وَصَف
 لِلّٰهِ الْحَمْدُ كَمَا خُوْدُ حَكِيْمِ خَدَا كَيْبَا وَصَف

ہے وہی گرمی بازارِ بیتاں، کیا کہنا!

کب سے تقویٰ کی حمایت میں ہر شمشیر و کتاب
 کب سے شورش ہو کہ دُوب جائے اذانوں سے رباب
 کب سے رندوں کے تعاقب میں ہیں آیاتِ عذاب
 کب سے نئے نئے رسالت پر واں ہر شراب

وہی پل ہے سر کوئے مُنغاں ، کیا کہنا

(۱۵)

شاید آرض ہے گو جو رفلکت سے بیمار
 حلق پر خنجر خوں ریز ہے سر پر تلوار
 زلف پر گردِ مہ و سال ہے، چہرے پر غبار
 دلِ نازک بھی ہو گو وقت کے تیروں سے فگار

پھر بھی آبرو کی لچکتی ہے کہاں، کیا کہنا

(۱۴)

آفریں بادبرایں ہمتِ کوئینِ شکار
 نہ تو شکوے ہی سے واقف، نہ شکایت سے دوچار
 نقشہ عہدِ جوانی کا ہے ہرچند اُتار
 اُس پہ قرون کا ہر شانوں پہ اُٹھائے ہوئے بار

پھر بھی رقصاں ہے جہانِ گزراں، کیا کہنا

(۱۳)

نعمۃ و زمزمہ و جلوہ و شعروئے و جام
 و ادریغا کہ ہے ان میں سے ہر اک چیز حرام
 خنجر زہ کی بُریش سے بپا ہے کہرام
 لیکن اس کوئے ہلاکت میں بھی ہیں گرم خرام

زُلفِ بر ووشِ میحانِ نفساں، کیا کہنا

(۱۲)

بند ہیں حروف و حکایت کے دریچے کتبے
 تلخ ہیں برہمن و شیخ کے فقرے کتبے
 سُنڈ ہیں اہل مُناجات کے خُطبے کتبے
 تُرش ہیں منبر و محراب کے لہجے کتبے

پھر بھی سرشار ہیں رندان جہاں ، کیا کہنا

(۱۱)

رُوح کے سیخ کدہ عالمِ افلاک میں بھی
 وہمِ فردوس کے ٹھنڈے خس و خاشاک میں بھی
 فِیقہ کی سرد و خشک انجمنِ پاک میں بھی
 شبنم و برف کے اس حلقہٴ زمناک میں بھی

اُٹھ رہا ہے دلِ انساں سے دُھواں کیا کہنا

(۱۰)

دین میں عَشْوَةُ بِيَاك ہے شایانِ عذاب
 عَمْرَةُ وَتَاذِرُ پَرَاکِ عَمْرُے ہے چشتمِ عَتَاب
 دَسْتِ هَمَّتِ شِکْنِی میں ہے سِرْزَلْفِ شَبَاب
 پَر بَرَایْسِ شَدَّتِ آیَاتِ وَاحَادِیْثِ حِجَاب

دستِ خُوبَاں میں ہر عَشْوُوں کی عَمْنَاں کیا کہنا

(۹)

آج بھی کاوشِ افسون و فسوں کاری میں
 آج بھی کاہشِ بدستی و سرشاری میں
 آج بھی ولولہ شوخی و طشاری میں
 آج بھی جلوہ رنگیں کی طلبگاری میں

چشمِ انساں ہے بہر سو نگراں، کیا کہنا

(۸)

کب سے نازل ہے حقایق پہ بلائے آوہام
 وہن نازکِ جنت میں ہے دوزخ کی لگام
 کب سے فطرت کے جگر میں ہے خراش لہام
 کب سے ہے ذوقِ نظر، محکمِ شریعت سے حرام

وہی نظریں ہیں، وہی حُسنِ جواں، کیا کہنا

(۷)

دل، اگر دُوزخ پہلو ہے تو تیرا، آتشِ دوش
 وہی نالوں کی گرج ہے، وہی آہوں کا خروش
 جلوہ۔ اشفتگیِ حسیم ہے، لے۔ آفتِ گوشت
 عقل کے دور میں بھی عشق نہیں ہے خاموش

وہی نالے ہیں، وہی شورِ فناں کیا کہنا

(۶)

کتاب سے ذہنوں پہ ہیں پارینہ عقائد کے حجاب
 کتاب سے انسان پر اوہام کا نازل ہو عذاب
 کتاب سے قدرت کے صحیفے پہ مسطط ہے کتاب
 کتاب سے ادیان کی خشکی میں ہے تبلیغِ سراب

وہی رونق ہے سرِ آبِ رواں کیا کہنا

(۵)

خاک پر نوحہ، پیہم کی لگی ہیں مہریں
زیست پر دیدہ پر غم کی لگی ہیں مہریں
دفتہ عیش پہ بھی غم کی لگی ہیں مہریں
ڈرے ڈرے پہ جہنم کی لگی ہیں مہریں

پھر بھی دُنیا پہ ہے جنت کا گناں کیا کہنا

(۴)

کَبُّ سے ہے پیچہ تبلیغ میں واما ان سکوت
کَبُّ سے ہے لغزہ شریعت ہر ثنا خوان سکوت
کَبُّ سے ہے ہر سجدہ و تسبیح میں طغیان سکوت
کَبُّ سے خورشید کی حدت میں ہر فرمان سکوت

پھر بھی جنبش میں ہر ذروں کی زباں کیا کہنا

(۳)

کتاب سے آئسو ہے، طربناک تبسم کے خلاف
 کتاب سے لگنت ہے شکر ریزہ تکلم کے خلاف
 کتاب سے تکین ہے اُنین تلامطم کے خلاف
 کتاب سے قرأت ہے مزایر و ترنم کے خلاف

آج بھی نغمہ ہے آشوبِ جہاں کیا کہنا

(۲)

بر سرِ فتنہ ہے ایمان کا طوفان کب سے
 آندھیاں جنتِ دوزخ کی ہیں غلطاں کب سے
 مریخِ دانش ہے سرِ عرشِ پرافشاں کب سے
 عقل کی تہذیب ہو ائیں ہیں خروشاں کب سے
 پھر بھی ہے شمعِ جنوں شعلہ فشاں کیا کہنا

باری رُوحوں کا کورس

تضمین بر

”باعنی انسان“

(۱)

مُعَبَّر آج بھی ہے ، رطلِ گراں کیا کہنا
 اب بھی قُلُقُل ہے پہ ازبانگِ اذّاں کیا کہنا
 قَبْضَةُ بَادِہ میں ہے رُوحِ جہاں کیا کہنا
 حُکْمراں آج بھی ہے پیرِ مُعَاں کیا کہنا
 دُہا ہی دُفتر ہے ، دُہا ہی ہُرو نشاں کیا کہنا

لِلّٰهِ الْحَمْدُ کہ خود مُحکِمٌ "خُدا" کے باوصف
 ہے وہی گرمیِ بازارِ بُتاں کیا کہنا
 آفریں باد کہ اس جبرِ مشیت پہ بھی ہے
 دستِ انساں میں بغاوت کی عنان کیا کہنا



شبنم و برف کے اس حلقہ زمناک میں بھی
 اُٹھ رہا ہے دل انساں سے دُھواں کیا کہنا
 ترش ہیں منبر و محراب کے لہجے کب سے
 پھر بھی سرشار ہیں زندانِ جہاں کیا کہنا
 زہد کے کوئےِ بلاکت میں بھی ہیں گرمِ حرام
 زلفِ برودش میسا نغساں کیا کہنا
 کب سے قزنوں کا ہے شانوں یہ اٹھائے مجھے بار
 پھر بھی رقصاں ہے جہانِ گزراں کیا کہنا
 سینہ دہر ہے گو تیرِ حوادث سے بگا ر
 پھر بھی ابرو کی لچکتی ہے کہاں کیا کہنا
 کب سے ہے نطقِ رسالت یہ رواں ہجوِ تراب
 وہی اٹیل ہے سر کوئےِ مغاں کیا کہنا

ڈرے ڈرے پہ جہنم کی لگی ہیں مہریں
 پھر بھی دُنیا پہ ہے جنت کا گماں کیا کہنا
 کب سے ادیان کی کُنشکی میں ہے تبلیغِ سَراب
 وہی رونق ہے سَرابِ رواں کیا کہنا
 عقل کے دَور میں بھی عشق نہیں ہو خاموش
 وہی نالے ہیں ، وہی شورِ فُغاں کیا کہنا
 کب سے ہے ذوقِ نظر، حکمِ شریعت سے حرام
 وہی نظریں ہیں ، وہی حُسنِ جو اں کیا کہنا
 آج بھی جلوہ رنگیں کی طلبگاری میں
 چشمِ انساں ہے پھر سُو نگر اں کیا کہنا
 ہاں بہ ایں شدتِ آیات و احادیثِ حجاب
 دستِ خُوباں میں ہو شوخی کی عنان کیا کہنا

بَاعِیْ اِنِّسَان

محکمراں آج بھی ہے یہ سیرِ مُنغاں کیا کہنا
 وہی دفتر ہے، فوہی ٹہر و نشاں کیا کہنا
 عقل کی شد ہو اُمیں ہیں خردشاں کب سے
 پھر بھی ہے شمعِ مَحَنوں شعلہ فشاں کیا کہنا
 کب سے تقویٰ ہے مزا میر و ترم کے خلاف
 آج بھی نغمہ ہے آشوبِ جہاں کیا کہنا
 کب سے خورشید کی جدت میں ہے فرمانِ سکوت
 پھر بھی جُبْدِش میں ہے دُزروں کی مِباں کیا کہنا

جنگ کی بھٹی سے آنے ہی پہ ہے بادِ مراد
 ارتقاء پائیندہ باد و نوعِ انساں زندہ باد
 آچکی ہے نقطہ تکمیل پر حیوانیت
 دیکھ ، پیدا ہو رہی ہے اک جدید انسانیت
 پرتو تائید ہے اس پر وہ تروید میں
 ایک صالح زندگی ہے معرضِ تولید میں
 آ رہا ہے تازہ وارث ، عالمِ ایجاد کا
 جلد تر اعلان کر دو اک نئے میلاد کا



تیز تلواروں سے ہو کیوں عصرِ نو چیں رزحیں
یہ تو اس موسم کے پھل ہیں، تیز تلواریں نہیں
ان پھلوں کو آدمی چکھ کر اُمز ہو جائے گا
آفتابِ حُبِ انساں جلوہ گر ہو جائے گا
اک انوکھی صنو سے دُنیا جگمگا دی جائیگی
شمع، برتر آدمیت کی جلا دی جائیگی
کہ رہا ہے صاف لفظوں میں زمیں کا خلفشار
قر و زہ میں مُبتلا ہے، ماورِ کلیل و نہار
ہلن رہا ہے یہ جو توپوں کی گرج سے آسماں
یہ تو ہے دراصل وضعِ محل کی آہ و نُحعاں
جس کو ہے إسقاط کا اندیشہ وہ دیوانہ ہے
یہ حضورِ ارتقاء، اک حرفِ گستاخانہ ہے

ہاں وہی عالم کہ تھا مدت سے جس کا اشتیاق
 آج پیدا ہو رہا ہے باہرا راں طمطراق
 جن کو یہ ڈر ہے کہ یہ مَوُوُو ہو گا ناسعید
 اُن کے اوجِ ذہن پر ہے پرتو وہم شدید
 اور جو کہتے ہیں جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
 کہدو، چُپ ہو جائیں اک جتنِ دگر ہونے کو ہے
 آج جو چھایا ہوا ہے زندگی پر یہ دُھواں
 اِس دُھویں میں پرفشاں ہیں سیکڑوں رنگینیاں
 اِس شبِ جامد میں، صُجِ سیلِ احساسات ہے
 اب بھی مانا رات ہے، لیکن یہ پچھلی رات ہے
 شب کے اِس دُھندلے اُفق سے باہرا راں آبِ تاب
 اَمَن دَاسائش کا طالع ہو رہا ہے آفتاب

وہ نگر اُردو، تولتی تھی جو حقانیت کو کبھی
 وقت کے گھن سے بڑی تھی خاک یرٹوئی ہوئی
 عالمِ ماضی، بطنِ گور کی یستی میں تھا
 عالمِ آئندہ، بطنِ شاہد ہستی میں تھا
 نسلِ انسانی کھڑی تھی تشدد و آتش بجاں
 اک عبوری موڑ پر۔ دو عالموں کے درمیاں
 کہنہ عالم میں حیاتِ آمیز رقص و رم نہ تھا
 جلد پیدا ہو، نئے عالم میں امتداد م نہ تھا

(۲)

آج لیکن عصرِ حاضر کا سماں کچھ اور ہے
 اب زمیں کچھ اور ہے، اب آسماں کچھ اور ہے

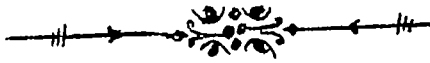
پشت پر ٹوٹی پڑی تھیں کچھ پُرانی سیڑھیاں
 اور آگے کوئی رہبر تھا، نہ کوئی نرد پاں
 دین کے دھارے کے اندر بجلیوں کی رُونہ تھی
 اور بے دینی میں شفاف و نمایاں ضوٹہ تھی
 ہو چکا تھا پوچ و مہمل حرفِ آئینِ قدیم
 اور جدید اخلاق تھا زیرِ حجاباتِ عظیم
 بے ضیاء پیغمبری تھی، کافر ی تاریک و تاریک
 کس غضب کی کشمکش تھی، کس بلا کا انتشار
 بن چکا تھا، نظمِ امروز ایک برقِ امن سونہ
 اور تھا دستورِ فردا کارخانے میں ہنوز
 گہنگلی بے رُوح تھی، اور جہتیں بے برگ بار
 وہ ادھر مجبور تھی، اور یہ ادھر بے اختیار

نیامی سلاو

(۱)

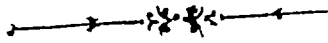
اب سے تقریباً پچھتر سال پہلے ہمنشیں
 مبتلا تھی سخت تشویش و تذبذب میں زمیں
 دہرکا بوڑھا ستمن رل چکا تھا خاک میں
 اور جواں دستور گم تھا محبسِ ادراک میں
 خاک پر رکھی ہوئی تھی کہنہ قدروں کی جبیں
 اور نئی قدریں تھیں قصرِ ذہن میں خلوت نشیں
 خستہ جاں تہذیب، اُنٹاری جا چکی تھی قبر میں
 اور نئی تہذیب، مُصنم تھی حجابِ اُبڑ میں

بہ فیضِ فکر، علی الرِّغمِ قُدْرَتِ جابر
 شگفتہ باطن و رنگین و تابدار رہے
 ہر اک قدم پہ بغاوت کرے مشیت سے
 سدا خزاں کے مقابل سدا بہار رہے
 ہجوم کاوش ہستی میں جو سس کے مانند
 ترانہ سنج و نظر باز و بادہ خوا رہے



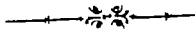
بس ایک بار میسر ہوں نُقْرائی بانہیں
 تمام عمر گرفتارِ صدِ فِشّار رہے
 جو ایک سال بھی شاداں ہے یہ چھتہ نصیب
 ہزار سال دل افکار و بیقرار رہے
 جو ایک بار بھی بٹاش ہو یہ سوختہ جاں
 تو لاکھ بار یریشان و اشکبار رہے
 ہنجومِ عیش کے آغوش میں بھی یہ بد بخت
 شکستہ خاطر و محزون و سوگوار رہے
 گلوں سے کھیل کے بھی حارس نہ ہو فارغ
 چمن میں رہ کے بھی بیگانہ بہار رہے
 مگر حکیم وہی ہے جو ان شاید میں
 ہمیشہ فاتحِ غم ہائے روزگار رہے

بے ہوشیت



خدا گواہ کہ نشاء ہے یہ مَشِیت کا
 کہ قلبِ آدمِ خاکی سدا فگار رہے
 ہر ایک بوسہ شیریں کا مدعا یہ ہے
 کہ داغ بن کے کلجے پہ یادگار رہے
 ہر اک پیامِ تجلی سے ہے یہی مقصود
 کہ سنلِ آدم و حوا سیاہ کار رہے
 فقط یہ علتِ غائی ہے رسمِ درماں کی
 کہ دل میں درد کی بنیاد استوار رہے

کسی کے رُوئے رگیں کی صباحت کے تصور میں
 چمن کی چاندنی اکثر سُہانی اب بھی ہوتی ہے
 و فورِ یاس سے گودل رہیں برف و شبنم ہے
 کبھی پھلے ہیر آتش فشانی اب بھی ہوتی ہے
 نہ جانے حوسق کس ارماں میں اب تک جان ماتی ہے
 کہ اکثر آرزوئے زندگانی اب بھی ہوتی ہے ؟



بہ این طغیانِ حکمت، کون مانیکا کہ اس دل پر
 مُسَلَّط ہر بلائے آسمانی اب بھی ہوتی ہے
 رَسُوْلِ شَادِمانی ہوں مگر چھڑتے ہیں جب نغمے
 نظر سے سوزِ عم کی ترجمانی اب بھی ہوتی ہے
 خُداے خندہ ہوں، لیکن جب انکی یاد آتی ہے
 مری آنکھوں سے اشکوں کی زدانی اب بھی ہوتی ہے
 ترانوں سے مری محفل کو گو فرصت نہیں ملتی
 مگر تنہائیوں میں نوحہ خوانی اب بھی ہوتی ہے
 بہ این مشقِ تَحَلُّل، بارہا خاموش راتوں میں
 کسی کی یاد۔ مَرگِ ناگہانی اب بھی ہوتی ہے
 خِرْد کا دَور ہے، لیکن مَرے کسخت سینے میں
 جُنوں کی گاہے گاہے پرفشانی اب بھی ہوتی ہے

ابدی شعلہ



زباں ساکت ہے، لیکن ترزبانی اب بھی ہوتی ہے
 لبِ خاموش سے حاؤ و بیانی اب بھی ہوتی ہے
 حدیثِ نفس کی صورت میں اکثر خود بخود بہروں
 زمانِ کیفیت کی افسانہ خوانی اب بھی ہوتی ہے
 لبِ گلِ رنگ کو ہوتی ہے جنبش جب تصور میں
 سماعت کی زمیں پر گلِ فشانِ اب بھی ہوتی ہے
 کیسی جب عہدِ رنگینی کی راتیں یاد آتی ہیں
 غروبِ شوق کی پوشاکِ دھانی اب بھی ہوتی ہے

رُوح پر ہے بکیسی چھائی ہوئی
 آگ ہے سینے کی کجلائی ہوئی
 شام پھیلکی، صُبح مُرجھائی ہوئی
 وقت ہے بے نغمہ و بے داستاں
 پھر کہاں سے آئیں یہ چنگاریاں؟

دُور ہے، سر منزلِ مہرِ نینر
 دل میں ہیں پیوستِ تنخِ پاروں کے تیر
 زہریرہ و زہریرہ و زہریرہ
 الامان و الامان و الامان
 پھر کہاں سے آئیں یہ چنگاریاں؟

سوزِ دلِ یرِ جھائی ہے فکرِ حکیم
 اب نہ وہ گلشنِ نہ وہ موجِ نسیم
 و نولوں کا سر ہے اور ضربِ کلیم
 اور منہ ازِ قلب یر تا رکیاں
 پھر کہاں سے آئیں یہ حسنگاریاں ؟

لٹ چکی ہے دولتِ برق و شرار
 برف و شبنم پر ہے، لے دے کر نلہ
 عقل کی بیداریاں ہیں گرم کار
 اور جنوں، وابستہ خوابِ گراں
 پھر کہاں سے آئیں یہ حسنگاریاں ؟

برف میں آگ

جوش ، اس دُورِ خُشک میں ناگہاں
 آج کیوں لو دے اٹھا قلبِ تپاں
 آسماں ہے سرد کُہرے میں ہناں
 اور زمیں پر باد و باراں کا سماں

پھر کہاں سے آئیں یہ چنگاریاں ؟

نازِ باقی ہے ، نہ احساسِ نیاز

کار فرما ہے ، دماغِ فتنہ باز

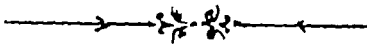
برسرِ غوغا ہے عقلِ حیلہ ساز

اور محبت ، بے خروش و بے زباں

پھر کہاں سے آئیں یہ چنگاریاں ؟

غلط گو یہ بھی ہو، ہندوستان والوں کے سینے میں
 دلِ شبیتِ سر و زورِ فاتحِ خدیبر نہیں ملتا
 مگر اس بات سے انکار کی جرات نہیں ہوتی
 کہ اس خطے میں ڈھونڈنے سے بھی کیر کڑ نہیں ملتا
 اُسی کا یہ نتیجہ ہے کہ پورے براعظم میں
 جو اپنے کو بھلا سکتا ہو، وہ لیڈر نہیں ملتا
 اور اُس کا یہ نتیجہ ہے، کہ ہر گوتے میں، ہر گھر میں
 ”خدا“ تو سیکڑوں ملتے ہیں، ”یسعیر“ نہیں ملتا

خود پرست لیڈر



غلط کہتا ہے، گو وہ شخص جو تجھ سے یہ کہتا ہے
 کہ بجر ہند کے آمواج میں گو ہر نہیں ملتا
 غلط گو یہ بھی ہے، یعنی وطن کے نفس کے اندر
 نظر میں خیرگی جس سے ہو وہ جو ہر نہیں ملتا
 غلط گو یہ بھی ہے، جس میں جہاں بانی کا سوا ہو
 کسی کے دوست پر اس ملک میں نہ سر نہیں ملتا
 غلط گو یہ بھی ہے، یعنی دیار ہند کے اندر
 کسی میں جذبہ تیمور و اسکندر نہیں ملتا

خار و گل

اے دوست ، دل میں گرو کدورت نہ چاہیے
 اچھے تو کیا ، بُروں سے بھی نفرت نہ چاہیے
 کہتا ہے کون ، پھول سے رغبت نہ چاہیے
 کانٹے سے بھی گر کتجے وحشت نہ چاہیے

کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو بسزہ زار کا
 پالا ہوا ہے وہ بھی نسیم بہار کا

میرے ذوقِ تخییرِ قَدَرَتِ کے آگے
 عناصرِ صرِّ کا قلب و جگر کا نپتا ہے
 میرے تازہ آئینِ فکر و نظر سے
 نظامِ قضا و قدر کا نپتا ہے
 میرے دام سے طائرِ وقتِ اعظم
 بہ این قوتِ بال و پر کا نپتا ہے
 میرے چاک کی توبہ تو گر و شوں سے
 دلِ کوزہ کیا ، کوزہ گر کا نپتا ہے
 قسم جو شِ وُنیا کے ہر خشک و تر کی
 کہ مجھ سے ہر اک خشک تر کا نپتا ہے

مرے دستِ جاں بخش کی دَشکوں سے
 حصارِ ہلاکت کا در کا نپتا ہے
 میرے مرگِ بردوشِ قہر و غضب سے
 دیارِ مسیح و خضر کا نپتا ہے
 میری نور و ظلمت کی تفسیرِ نور سے
 مُتمائے شام و سحر کا نپتا ہے
 میری فکرِ عوّاص کے تیوروں سے
 صدقِ مضطرب ہے، گہر کا نپتا ہے
 میری ضربتِ دستِ گیتی شکن سے
 جو اہر لرزتے ہیں، زر کا نپتا ہے
 میرے عزمِ یرواز کے دہ بے سے
 دلِ نجم و شمس و قمر کا نپتا ہے

بنامِ قوت و حیات

انسان کا ترانہ

مری شان سے بحر و بر کانپتا ہے
شجر کانپتا ہے ، شجر کانپتا ہے
مرے تیشہ تو کی جھنکار سُن کر
دلِ سختِ کوہ و کمر کانپتا ہے
مرے درسِ اخلاق تو کی صدا سے
تِن ”عیب“ و جسم ”ہنر“ کانپتا ہے
مری شرحِ خیر ”مشیت“ کے آگے
نہاں خانہ ”خیر“ و ”شر“ کانپتا ہے

فہرست مضامین ”آیات و نعمات“

صفحہ	عنوانِ منظم	نمبر شمار	صفحہ	عنوانِ منظم	نمبر شمار
۱۸	نذرانہ اشک ..	۱۹	۱	انسان کا تراء ..	۱
۷۰	خالی بوتل ...	۲۰	۴	خار و گل ..	۲
۷۴	نوجوانوں کی محبت ...	۲۱	۵	خود پرست لیڈر ...	۳
۷۸	روحِ تحزیب کی آواز ...	۲۲	۷	برف میں آگ ...	۴
۸۵	گزر جا ...	۲۳	۱۰	ابدی شعلہ ...	۵
۱۰۱	پر دیس میں دیس کی خبر ...	۲۴	۱۳	بے ہر شیت ...	۶
۱۰۳	عجرتناک لاعلمی ...	۲۵	۱۶	نیا میلاد ...	۷
۱۱۲	ہماری سوسائٹی ...	۲۶	۲۲	باعنی انسان ...	۸
	بارگاہِ قدرت میں ایک اشتراکی	۲۷	۲۶	باعنی رُوحوں کا کورس ...	۹
۱۱۴	زندہ کا مشورہ ..	۲۸	۴۴	محبت کا اعجاز ...	۱۰
۱۱۷	تھکی ہوئی آواز ...	۲۸	۴۶	نگاہِ خلوص ہیں ...	۱۱
۱۱۹	شہیدِ لطافت ..	۲۹	۴۹	رزالت کی خدمت میں اپیل	۱۲
۱۳۱	اے شیخِ شہر ...	۳۰	۵۳	ماضی کا گودام ...	۱۳
۱۳۴	سلام ..	۳۱	۵۶	محبت کی قرمانی ...	۱۴
۱۳۶	سلام ...	۳۲	۵۷	حادثے ...	۱۵
۱۳۸	حسین اور انقلاب ...	۳۳	۵۹	تو اگر واپس نہ آئی ...	۱۶
۲۰۶	احساسِ لطافت ...	۳۴	۶۳	نیامرت ...	۱۷
۲۰۸	بیٹے ہو کے دن ..	۳۵	۶۴	فاتحِ بحر کی خدمت میں ...	۱۸

تو اے کہ محو سخن گُستَرانِ پشینی
بِباش مُنکِرِ غَالِبِ کہ دُزِمانہ بُنست

Aayat-o-Naghat

by

Josh Malihabadi

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو، مے خرمَن کے خوشہ چینیوں کو

آیات و نغمات

جوش

ناشر۔ "مکتبہ اُردو، لاہور"

۱۹۴۱ء

قیمت تین روپیہ اکٹھا

پبلشرز

پبلشرز ۱۱۰۰

